S. No. 8

ISSN : 2394-5567

سہ ماہی ادبی جریدہ

دبیر

جلد:- سوم

شمارہ:- سوم

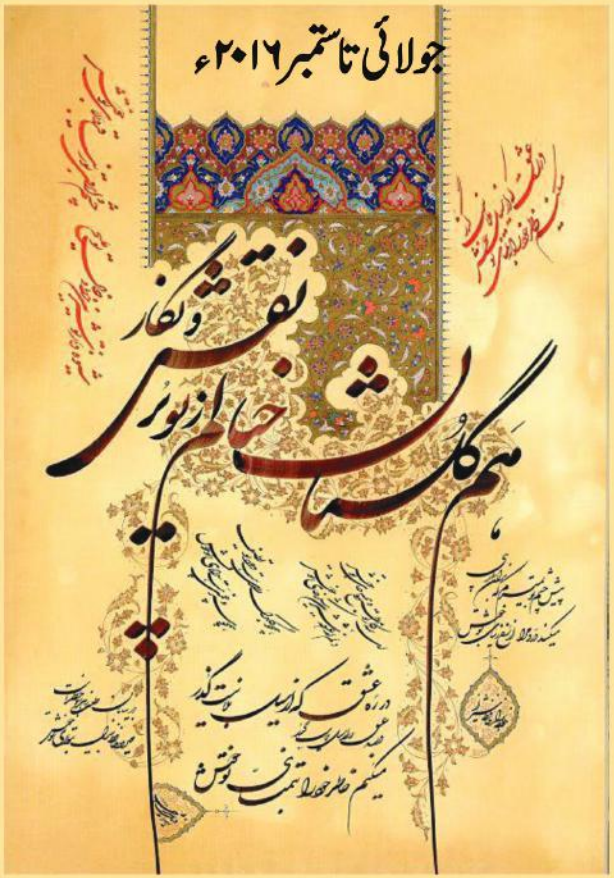

مدیر: احمد نوید یاسر 'ازلان حیدر'

از: دبیر حسن میموریل لائبریری، کاکوری، لکھنؤ

Dabeer July to September 2016 S. No. 8

ISSN : 2394-5567

S. No. 8

DABEER

S.No. : 3

Volume : 3

(An International Peer Reviewed Quarterly Literary Refereed Journal)

Editor:-

Ahmad Naved Yasir 'Azlan Hyder'

Address:-

DABEER HASAN MEMORIAL LIBERARY

12, Choudhri Mohalla, Kakori, Lucknow-226101

Mob. No. 09410478973, email: dabeerpersian@rediffmail.com

ISSN:- 2394-5567

صوفیاء کی زمین کاکوری سے فارسی ادب کا ترجمان.....

سہ ماہی ادبی جریدہ۔

دبیر

جلد۔۳ شمارہ۔۳

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء

☆ایڈیٹر☆

احمد نوید یاسر ازلان حیدر

Mob. no. 09410478973

☆مراسلت کا پتہ☆

دبیر حسن میموریل لائبریری

۱۲۔ چودھری محلّہ (جنوبی)، کاکوری، لکھنؤ۔۲۲۶۱۰۱

dabeerpersian@rediffmail.com

☆ مقالہ نگاروں سے گزارش:۔ حواشی مقالہ کے آخر میں لکھیں، مآخذ کے حوالہ جات اس ترتیب میں ہوں:۔ مصنف یا مولف، کتاب کا نام جلد، مقام اشاعت، سن اشاعت، صفحہ نمبر۔

اپنے مقالے اردو ان پیج، یا ایم ایس ورڈ کی فائل میں ہمارے برقی پتے پر ارسال کریں۔

☆سرپرست☆ **پروفیسر عمر کمال الدین کاکوروی**، صدر شعبۂ فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

☆نگران اعلی☆، **ڈاکٹر سید محمد اصغر عابدی**، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

☆نگراں☆، **ڈاکٹر انجمن صدیقی** (لکھنؤ)

☆مجلس ادارت☆

پروفیسر سید حسن عباس، شعبۂ فارسی، بی ایچ یو، وارانسی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید، شعبۂ فارسی، اے ایم یو علی گڑھ

پروفیسر علیم اشرف خان، شعبۂ فارسی، ڈی یو، دہلی

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، شعبۂ فارسی، مانو، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد عقیل، شعبہ فارسی، بی ایچ یو، وارانسی

محمد قمر عالم، شعبۂ فارسی، اے ایم یو، علی گڑھ

ذوالنورین حیدر علوی، مدیر شش ماہی ''تصفیہ'' کاکوری، لکھنؤ

سید نقی عباس کیفی، مدیر سہ ماہی ''نقد و تحقیق'' دہلی

ارمان احمد، مدیر سہ ماہی ''عرفان'' چھپرا، بہار

☆معاون مدیران☆

محمد توصیف خان کاکر۔ فارسی، اے ایم یو، علی گڑھ

عاطفہ جمال، فارسی، لکھنؤ

مناظر حق بدایونی، فارسی، اے ایم یو، علی گڑھ

محمد حسن، تعلیم، اے ایم یو، علی گڑھ

محمد انس، تاریخ، اے ایم یو، علی گڑھ

سارم عباس، فلسفہ، اے ایم یو، علی گڑھ

اشرف علی، ہندی، اے ایم یو، علی گڑھ

راجیش سرکار، سنسکرت، بی ایچ یو، وارانسی

محمد جعفر، فارسی، جے این یو، دہلی

سعد الدین، فارسی، اے ایم یو، علی گڑھ

☆ریویو کمیٹی☆

پروفیسر آذرمی دخت صفوی،
ڈائرکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ

پروفیسر شریف حسین قاسمی،
سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس دہلی یونیورسٹی، دہلی

پروفیسر محمد اقبال شاہد، ڈین فیکلٹی آف لینگویجز اسلامک واورینٹل لرننگ، جی سی یو، لاہور، پاکستان

پروفیسر ابوموسیٰ محمد عارف باللہ،
ڈائریکٹر البیرونی فاؤنڈیشن، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

پروفیسر عبدالقادر جعفری، صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی

☆مجلس مشاورت☆

پروفیسر مسعود انور علوی، شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
پروفیسر عراق رضا زیدی، صدر شعبۂ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
پروفیسر طاہرہ وحید عباسی، شعبۂ فارسی، برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال
پروفیسر محمد مظہر آصف، شعبۂ فارسی، گوہاٹی یونیورسٹی، آسام
پروفیسر عزیز بانو، صدر شعبۂ فارسی، مانو، حیدرآباد
پروفیسر وجیہ الدین، شعبہ عربی و فارسی، بڑودا یونیورسٹی، بڑودا، گجرات
احمد علی، کیپر (مینسکرٹ)، سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، تلنگانہ
ڈاکٹر عطا خورشید، مولانا آزاد لائبریری، اے ایم یو، علی گڑھ
ڈاکٹر مظہر عالم صدیقی، یوسف اسلام کالج، جوگیشوری، ممبئی
ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں وجیہی قادری رامپوری، مسٹن گنج، رامپور
ڈاکٹر عابد حسین، صدر شعبۂ فارسی، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ
ڈاکٹر اخلاق احمد، شعبۂ فارسی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی
ڈاکٹر سیدہ عصمت جہان، مانو، حیدرآباد
ڈاکٹر رضوان اللہ آروی، شعبۂ فارسی، ایچ ڈی جین کالج، آرہ، بھوج پور
سید عادل احمد، محکمہ آثار قدیمہ، حیدرآباد، تلنگانہ

فہرست مندرجات

	عنوان	مقالہ نگار	صفحہ
۱۔	اداریہ	ازلان حیدر	۴
☆	**مقالات**		
۲۔	میر سید علی ہمدانی کی کشمیر میں فارسی زبان۔۔	عزیز عباس (پروفیسر)/ محمد الطاف بٹ	۵
۳۔	برہمنؔ کی تصنیف ''چہار چمن'' پیغام عبرت	شاہد نوخیز اعظمی (پروفیسر)	۲۰
۴۔	ہمائندہ نسوان ایرانی: سیمین بہبانی	صالحہ رشید (ڈاکٹر)	۲۸
۵۔	نواب شاہجہاں بیدم بحیثیت شاعرہ۔۔۔	شمسہ عارف (ڈاکٹر)	۳۵
۶۔	قوسؔ حمزہ پوری کی وطنی شاعری	فضل الرحمان (ڈاکٹر)	۴۵
☆	**میراث خطی**		
۵۔	دیوان ناصر علی سرہندی کے خطی نسخے	ناظرہ اسحٰق (ڈاکٹر)	۵۱
☆	**دکنیات**		
۶۔	مضطر مجازؔ و دیگر مترجمین اقبالؔ: ایک تقابلی مطالعہ	عالم اعظمی (ڈاکٹر)	۶۰
☆	**آئینۂ تحقیق**		
۷۔	پایان نامہائے شعبہ فارسی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد	کنیز فاطمہ	۷۰
☆	**چشم بینش**		
۱۵۔	سیرت حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنو	احمد نوید یاسر ازلان حیدر	

English Aritcles:

1. Impact of Rumi's Miracle & Sufism on M.F. Gulen's.....
Mohammad Faique (Dr.) 3

2. Ethic and Sheikh Abdul Qadir Gilani
Hifjul Hussain Choudhri 9

اداریہ

فنی اعتبار سے علم کا مادہ "ع ل م" ہے جس کے معنی "جاننا" کے ہیں گویا "العلم ادراك الشيء بحقيقة" (علم کسی شے کو اس کی حقیقت کے حوالے سے جان لینے کا نام ہے) یعنی علم ایک ایسا ذہنی قضیہ اور تصور ہے جو علم خارج میں موجود کسی حقیقت کو جان لینے کی تعبیر ہے۔ علم کا اطلاق ایسے قضئے پر ہوتا ہے جو کسی محکوم اور محکوم بہ پر مشتمل ہو اور جس کے متوازی خارج میں ایسی ہی حقیقت موجود ہو جیسی قضئے میں بیان ہوئی ہو، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر قضیہ علم نہیں ہوسکتا، وہی قضیہ علم کہلائے گا جو کلی اور وجوبی ہو اور موجود خارج کے حوالے سے صحت کا مصداق ہو۔ اسلام میں حصول علم کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔ خداوند متعال نے قرآن کریم میں سب سے پہلے پڑھنے، علم اور کتابت سے اپنے کلام کا آغاز کیا ہے۔ کیونکہ علم انسان کو سعادت وتکامل کا راستہ بتاتا ہے اور اسے قوی وتوانا بنا دیتا ہے تاکہ وہ اپنے مستقبل کو اپنی خواہشات کے مطابق بہتر بنا سکے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ علم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں آیا ہے کہ آپ جنگ بدر کے بعد ہر اس اسیر کو جو مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا آزاد کر دیتے تھے۔ اس عمل سے اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں تعلیم کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ تمام علوم کو اہمیت دیتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے بعض صحابیوں کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ معروف حدیث سے بھی جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے" اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، حصول علم کے بارے میں آپ کی ترغیب اور تاکید سبب بنا کہ مسلمانوں نے بڑی سرعت وہمت کے ساتھ علم حاصل کیا اور جہاں بھی انھیں علمی آثار ملتے تھے اس کا ترجمہ کرڈالا۔ اس طریقہ سے یونانی، ایرانی، رومی، مصری، ہندی اور بہت سی دوسری تہذیبوں کے درمیان رابطے کے علاوہ تاریخ انسانیت کے عظیم تہذیب وتمدن کو اسلامی تہذیب وتمدن کے نام سے خلق کرلیا۔ علم کے ذریعے آدمی ایمان و یقین کی دنیا آباد کرتا ہے، بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے، بروں کو اچھا بناتا ہے، دشمن کو دوست بناتا ہے، بے گانوں کو اپنا بناتا ہے اور دنیا میں امن وامان کی فضا پیدا کرتا ہے۔ علم کی فضیلت وعظمت، ترغیب وتاکید مذہب اسلام میں جس بلیغ ودل آویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی، تعلیم وتربیت، درس وتدریس تو گویا اس دین برحق کا جزو لاینفک ہو۔ کسی بھی ملک وقوم کی ترقی وخوشحالی کا دارومدار تعلیم پر ہی ہوتا ہے، جس ملک وقوم میں تعلیم کو اہمیت دی جاتی ہے وہ ہمیشہ زندگی میں لوگوں پر اور ان کے دلوں پہ راج کیا کرتے ہیں۔ اسلام میں بھی علم کو بہت اہمیت دی گئی ہے، کیونکہ علم کے کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ انسان کو جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر علم وآگاہی کی روشنی میں لاتا ہے اور بنی آدم کو شعور وفہم بخشتا ہے، اور انسان کو جب یہ تمیز ہو جاتی ہے تو دیوانہ وار کامیابیوں کی طرف لپکتا ہے۔ اللہ رسول کریمؐ کے صدقہ ہمیں بھی علم کے حصول اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ازلان حیدر)

عزیز عباس (پروفیسر)
پروفیسر وصدر، شعبہ اردو و فارسی، گورونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر، پنجاب
محمد الطاف بٹ
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو و فارسی، گورونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر، پنجاب

میر سید علی ہمدانی کی کشمیر میں فارسی زبان و ادبیات میں خدمات

سیّدِ سادات سالارِ عجم دَست اُو معمار تقدیرِ اُمم
سیدِ آں کشور مینو نظیر میرو درویش وسلاطین رامشیر
خطہ را آں شاہ دریا آستین دادعلم وصنعت وتہذیب ودین
آفرید آں مرد ایران صغیر با ہُنر ہاے غریب و دلپزیر [۱]

خطہ کشمیر جو ہندوستان کے زیر نظام ہے ۶۲۱۹ مربع میل اور آزاد کشمیر جو زیر نظام پاکستان ہے ۲۳۸۹ مربع میل اور اسطرح سے کل رقبہ وادی کشمیر ۸۲۰۸ مربع میل پر مشتمل ہے۔ یہاں پر مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ وادی گلپوش قدیم زمانے سے کئی قوموں کا مسکن رہ چکی ہے۔ ناگ، بدھ اور برہمن تہذیب وغیرہ ایسے تہذیبیں ہیں جن سے ہم صحیح معنوں میں یہاں کے مشترکہ تہذیب وتمدن کے عناصر ترکیبی کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

قدیم زمانے سے ہی اس حسین وادی کی سرسبز وشادابی اور لازوال حُسن و جمال کو دیکھنے کے لیئے ہر سال ہزارو ں کی تعداد میں مختلف مما لک سے سیاح آتے ہیں اور یہاں کے آبشاروں، کوہساروں، گلستانوں، جھیلوں کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہوتے ہیں بقول پروفیسر سید امیر حسن عابدی ''جب کوئی فارسی زبان وادبیات کا طالب علم یہاں آتا ہے، تو اس سرزمین کو ایک نئے زاویہ سے دیکھتا ہے۔'' جس کا اندازہ اس جنت بے نظیر کی توصیف میں کہے گئے مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتا ہے۔

ہرسوختہ جانی کہ بہ کشمیر درآید گرمرغ کبابست کہ بابال وپرآید [۲]

فیضی نے یوں کہا ہے:

ہزار قافلہ شوق می کند شبگیر کہ باریعش گشاید بعرصۂ کشمیر [۳]

بقولِ شاعر:

؎ اگر فردوس بروئ زمین است ہمین است وہمین است وہمین است

دراصل چشمہاے خوشگوار، سبز ہاے لطافتِ آثار سے پُر وادی کشمیراوراسکی آب وہوا اس خطہ کے معشوقوں کی خوبصورتی اورشکل وشمائل کی عکاسی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے شاعران ایران بھی اس کی توصیف میں بے ساختہ اشعار کہتے ہیں۔ چنداشعارملاحظہ فرمائیں۔

؎ آبش چوگلاب ہرطرف گشتہ رواں خاکش ز زمین جنت آوردہ نشان ۴

رباعی:

شاہ ہمہ دلبران کشمیر توئ خرم دل آن شاہ کہ کشمیر توئ
آن حور کہ روح را ستردکش گویند کاندر کف پاے نازکش میر توئ ۵

کشمیر کے حسینوں کے متعلق شاعر بزرگ ایران حافظؔ شیرازی فرماتے ہیں۔

بشعر حافظؔ شیرازی می رقصندو می نازند سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

سلطان سنجر کا درباری شاعرامیر معزّیؔ فرماتے ہیں۔

ز بہر نہنیت عید پیش من شبگیر معطرّ آمد و آراستہ بت کشمیر
پیام دادم نزدیک آن بت کشمر کہ زیر حلقۂ زلفت دلم چراست اسیر

طالب آملؔی نے جنت کشمیر کی خوبصورتی دیکھ کرایک دلکش نظم کہی ہے۔ چنداشعاربطورنمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

فیض پیالہ بخشید آب و ہوای کشمیر از خشت خم نہادند گویا بنای کشمیر
کشمیر می ستانم از حق بجائے جنت اما نمی ستانم جنت بجای کشمیر
ہرکس پے تماشا کردند خوش فضای رضوان فضای جنت، طالبؔ فضای کشمیر ۶

غرض اس سرزمین کو نہ صرف اپنی جادوئ حُسن و جمال کے لیے جانا جاتا بلکہ علم وادب کا گہوارہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اوراس گہوارے کی پرورش اسلامی تناظر میں میر سید علیؒ کی دست پاک سے شروع ہوتی ہیں۔ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ محتاج تعارف نہیں، انہوں نے ادبی دنیا میں اپنا لہومنوایا ہے اور چمکتے ہوئے سورج کی طرح عیان ہے۔ آپؒ نہ صرف اعلیٰ درجے کے مصنّف تھے بلکہ اپنے وقت کے جید عالم، مبلغ، متقی، زاہد، پیشوااور فصیح البیان ادبی شخصیت تھے۔ آسمان ادب کا یہ درخشان ستارہ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ میں ہمدان میں متولد ہوئے۔ سن صغر میں ہی قرآن شریف حفظ کرنے کا شرف حاصل کیا اورکم عمری میں ہی تقریباً سارے فقہی علوم سے مستفید ہوئے۔

میر سید علی ہمدانی سے پہلے خطہ کشمیر کی حالت۔

امیر کبیر کی کشمیر میں آمد سے پہلے سرزمین سرسبز پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کی کشمیر میں تشریف آوری سے پہلے وادی کشمیر میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک جلیل القدر بزرگ حضرت بلبل شاہؒ نے اسلام کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اور رینچن شاہ جو اُس وقت کا حکمران تھا نے بلبل شاہؒ کے دستِ حق پر بیعت کی تھی اور صدالدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسطرح سے پہلا مسلمان حکمران بننے کا شرف پایا اور اس کے ساتھ ہی امیر، وزیر اور دیگر اشخاص بھی اسلام کے دائرے میں آگیئے۔ مگر لوگوں کی حالت کافروں سے بدتر تھی۔ انکے رہن سہن کا طریقہ، رسم و رواج اور عبادت کا طریقہ ہندوں جیسے ہی تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں کشمیر کے سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور سماجی حالت دن بہ دن ابتر ہوتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر تک خطہ کشمیر کے تہذیب وتمدن میں زبردست تنزول آیا تھا۔ حضرت بلبل شاہ نے تقریباً تین سال کے بعد ہی وفات پائی۔ لوگوں کو صحیح معنوں میں دین اسلام کی رہنمائی نہ مل سکی۔ لہذا وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی غیر شرعی رسم ورواج میں مصروف رہے۔

شاہ ہمدان کے آمد سے پہلے وادی کشمیر میں بداخلاقی، بے حیائی، بے شرمی اور بدکرداری نے انسانیت کے چہرے کو مجروح کردیا تھا۔ صرف برہمن اور اونچے ذات والے لوگ اپنی زندگی عیش وعشرت میں گزارتے تھے اور نچلے طبقے یعنی عام لوگوں کی زندگی نہایت پست حالت میں بسر ہوتی تھی۔ بلکہ انکو نیچی نظر سے یا یوں کہیں کہ حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ مرد، عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے سب بددیانتی اور بداخلاقی کے شکار ہو چکے تھے۔ بقول مصنّف ''سیرت شاہ ہمدان' ''جھوٹ دھوکہ اور مکروفریب جیسے برے اوصاف انسانوں کی قابلیت بن گیئے تھے۔ گمراہ لوگ پتھروں کے علاوہ پہاڑوں اور دریاؤں کو بھی پوتر جان کر پوجتے تھے۔۔۔۔ اشرف المخلوقات سچ مچ ارزل الحیوانات بن گیا تھا۔ وہموں میں گرفتار، برائیوں کے شکار ہوگئے تھے۔ لوگ شکل صورت میں انسان مگر خصائیل اور سیرت میں درندے بن گیئے تھے'' ۷

غرض اُس زمانے میں گائے، بکری، سورج، پیڑوں وغیرہ کی بڑی عقیدت کی ساتھ پوجا کی جاتی تھی۔ لوگ شکل وصورت میں انسان مگر ضمیر ان کا پژمردہ بن چکا تھا۔ جب اُسی پرآشوب دور میں حضرت امیر کبیرؒ کشمیر تشریف لائے تو اُس وقت کشمیری عوام زلّت ورسوائی کی زندگی سے تنگ آچکے تھے۔ اور مظلومیت کے تلے دبے ہوئے تھے۔ بدرسم ورواج نے جینا حرام کردیا تھا۔ قبلاً اشارہ کیا جاچکا ہے اگرچہ کشمیر میں اسلامی عقاید اور طرز حیات کا بیج سید شرف الدین جو 'بلبل شاہ' کے لقب سے کشمیر میں مشہور ہے نے بویا تھا۔ تاہم لوگ دین اسلام کی عبادت کے ساتھ ساتھ بُت پرستی میں بھی پیش پیش ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے جب وادی کشمیر میں ایران کے مختلف ریاستوں، شہروں اور قصبوں سے آئے ہوئے سادات وعلماء نے رخ کیا اور اپنا اسلامی مشن جاری وساری کیا تو ہر خاص وعام متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سید السادات، سالارِ عجم، میر

سید علی ہمدانی کے طرز وفکر اور روشن خیالی کی بدولت طرز حیات وفکر کی وہ موجیں جو اُس وقت کے ایران اور وسط ایشیاء کی جانب رواں دواں تھی کشمیر کی سرحدوں سے بھی آ کر ٹکرانے لگی۔ چونکہ ایران سے لیکر وسط ایشیاء تک آئے ہوئے سبھی مبلغوں اور ساداتوں کی رواداری، حُسن وخلاق، ذات پات اور فخر وامتیاز نہ برتے ہوئے عملی طریقہ کار کو دیکھکر کشمیری عوام جو ظلم وجبر مین دبے ہوئے تھے اس نئی تبلیغی تحریک کو یک سر ہو کر لبیک کہہ گئے تھے۔ اور اسطرح سے رفتہ رفتہ اسلامی عقاید کے ساتھ ساتھ شیرین زبان فارسی کی خوشبو وادی میں مہکنے لگی۔ اور اس سے قبل رائج سنسکرت زبان زوال پزیر ہوگئی

میر سید علی ہمدانیؒ کی کشمیر آمد:۔

مشہورِ عالم دین اور پیشوا حضرت میر سید علی ہمدانیؒ نے سرزمین کشمیر کو پہلی بار ۷۷۴ھ بمطابق ۱۳۷۲ء اپنی تشریف آوری کا شرف بخشا۔[۸] چناچہ اس ضمن میں آپ کے ایک ہمسفر حضرت سید محمد خاوریؒ کے وہ اشعار جو اُسی وقت لکھے گئے تھے نقل کئے جاتے ہیں۔

میر سید علی شہ ہمدان سیر اقلیم سبعہ کردہ نکو!!
شُد مشرف ز مقدس کشمیر اہل آن شہر از ہدایت او!!
سالِ تاریخ مقدم او را !! یابی ا ز ''مقدم شریفِ او''!!

انسیکلو پیڈیا آف اسلام میں شاہ ہمدان کے کشمیر آنے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۷۷۴ھ بمطابق ۱۳۷۲ء مرقوم ہے۔ آپکی پہلی ورود کے قیام کے بارے میں مصنّف تاریخ فرشتہ یوں رقمطراز ہے'' درعہد شاہ قطب الدین امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ العزیز بنواحی کشمیر آمدہ۔۔۔۔زیادہ از چہل روز دران شہر آقامت نکردہ''[۹] بعض روایتوں کے مطابق آپؒ نے کشمیر میں پہلی بار چہار ماہ قیام کیا۔[۱۰] غرض امیر کبیرؒ نے کشمیر میں تشریف آوری کے ساتھ ہی اسلامی عقاید اور فارسی زبان وتمدن ایران کی بنیاد ڈالی۔ اور مجموعی طور پر وادی کشمیر میں اسلام پھیلنے لگا۔

امیر کبیرؒ کی کشمیر میں دوسری بار تشریف آوری کے بارے میں بعض مورخین نے امیر تیمور کی مردم کشی کا سبب بتایا ہے جو سراسر غلط ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ دین اسلام کو پھیلانے کی پیاس اور پیغمبر ﷺ اسلام کا خواب میں آنا، شاہ ہمدانؒ کی کشمیر میں دوبارہ تشریف لانا اصل وجہ ہے۔ شاہ ہمدانؒ نے ۷۸۱ھ کے اوائل میں دوسری دفعہ اس خطۂ دلپزیر میں سات سو سادات کے ہمراہ وارد ہو کر تازگی بخشی ہیں۔ تاریخ حسن جلد سوم اور سیرت شاہ ہمدان اور تاریخ سید علی میں آپؒ کی ورود ثانی کی تاریخ یوں مرقوم ہیں:۔

شُکر کز مقدم امیر کبیرؒ باغ کشمیر ہمچو گل بشگفت
ہاتف غیب سالِ مقدم او ''آمد ایں جا علی ثانی'' گفت

شاہ ہمدانؒ نے دوسری بار چھ مہینے کشمیر میں قیام کیا۔ چنانچہ اس بار آپؒ نے سات سو سادات کرام کی ایک خاصی جماعت کے ساتھ وادی کشمیر کے مختلف علاقوں، شہروں اور دیہاتوں میں لوگوں کو دایرٔہ اسلام میں لایا۔ امیر کبیر نے سب سے پہلے سلطان قطب الدین کو احکامِ شریعت سے روشناس کرایا۔ چنانچہ بادشاہ موصوف نے دو سگی بہنوں کے ساتھ شادی کی تھی۔ آپکی رشد وھدایت سے ہی پھر قطب الدین نے دونوں کو طلاق دیا اور بعد میں ایک کے ساتھ دوبارہ اسلامی طور طریقے سے نکاح پڑے۔ ساتھ ہی بادشاہ کو شاہ ہمدان نے اسلامی لباس پہننے کی ہدایت بھی کی تھی۔ ۱۱

میر سید علی ہمدانیؒ کی کشمیر میں وعظ وتبلیغ کے علاوہ روحانیت کے بہت سارے واقعے مورخین، مصنفین اور ریسرچ اسکالرز نے بیان کۓ ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ سلطان قطب الدین کے عہد میں جب آپؒ نے سلطان کے ایک سرکاری مسافر خانہ جو علاؤ الدین پورہ میں تھا قیام فرمایا، وہاں پر ایک راہب آپؒ سے پہلے قیام پزیر تھا۔ جب سید السادات اپنے ہمراہ لاۓ ہوۓ سادات کی جماعت کے ساتھ وہاں پر ساکن ہوۓ تو کہا جاتا ہے اس بد کردار راہب نے اس مسافر خانہ میں ایک جن کو مسخر کیا ہوا تھا اور وہ اکثر یہاں کے لوگوں سے اپنی طاقت کے بل پر شراب، روٹی اور بھنا ہوا بھیڑ وغیرہ مانگتا تھا۔ اسطرح سے وہاں کے لوگوں کو اپنی اپنی باری میں راہب کو یہ سب چیزیں مہیا کرنی پڑ تی تھی۔ اگر کوئ راہب کے حکم پر عمل نہ کرتا تھا تو انہوں نے یہ دھمکی دے رکھی تھی کہ وہ ہر روز ایک آدمی کو کھاۓ گا، اس خوف وہراس میں اُس شہر کے کافر اور مسلم دونوں کے لوگوں میں یہ دستور بن چکا تھا کہ راہب اور راہب کی جماعت کے لۓ ان سبھی چیزوں کو لانے میں تاخیر کۓ بغیر فرمان راہب بجالاتے تھے۔ اب اگر کوئ غفلت سے تاخیر کر بھی لیتا تھا تو سزا کے طور پر راہب اُس غفلت برتنے والے کو دیو کے ذریعے سے مارتا تھا۔ قصّہ مختصر جب امیر کبیرؒ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو انہیں برداشت نہ ہوسکا اور بدکار راہب کے ساتھ بحث ومباحثہ کیا۔ یہاں تک کہ روہب نے یہ دعویٰ کیا میں سیر ملکوت کرتا ہوں اور میں نے یہاں کے لوگوں کے دلوں میں اس طرح کی عادت ڈالی ہے کہ جسکا ان کو یقین بھی ہے۔ میرا باطن اس قدر پاک ہے کہ مردوں کو زندہ اور زندوں کو مردہ کرسکتا ہوں۔ وہ کون ہے جو میرے باطن کے ساتھ برابری کرے گا؟ سید الساداتؒ نے جواب میں راہب کو فرمایا۔ جو کچھ کمالات تم کو حاصل ہے اُن کو دکھاؤ، تاکہ تمہارا یہ بت خانہ میں ویران نہ کروں۔ امیر کبیر نے اپنی جماعت کو بتوں کو تاڑنے کا حکم فرمایا۔ اس بت خانے میں قریباً ۱۲۰ بت تھے۔ ۱۲ ان میں سے ایک بڑا بُت تھا، جب اس کو توڑا گیا تو اس کے چار ٹکڑے ہوۓ، اس کے درمیان میں سے بھوج پتھر کا ایک ٹکڑا نکلا اور اُس پتھر کے ٹکڑے پر ''کلمہ لا الاہ الا اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ جب راہب نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ سمجھ گیا اسکا دین باطل اور بے بنیاد ہے۔ مگر جہالت میں آکر پوری طرح امیر کبیرؒ کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ دوسری دفعہ شاہ ہمدان نے فرمایا اور کیا کمالات ہے؟ راہب نے آسمان کی پرواز کی یہاں تک کہ حد نظر سے غایٔب ہوا، تو جناب امیرؒ نے سید محمّد کبیر بیہقیؒ کو اشارہ کیا انہوں نے

اپنے نعلین کو اٹھا کر ہوا میں پھینکا۔ کرامت دیکھئے یہ نعلین بھی راہب کے پیچھے اُڑنے لگا اور آسمان اوّل جہاں تک راہب کی پہنچ تھی وہاں تک پہنچ گیا اور راہب بے دین کو وہاں سے سر پر مارنے لگا اور مارتے مارتے زمین پر پہنچایا۔ اس طرح سے راہب آپؒ کی کرامات دیکھ کر ظلم و کفر کو چھوڑ کر دین اسلام کے دایرے میں آ گیا۔ راہب کے دیگر ساتھی بھی یہ کرامتیں دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ سید علی نے 'تاریخ کشمیر' میں لکھا ہے کہ اُس روز چھوٹے بڑے اور مرد و زن تقریباً چار ہزار کی تعداد میں لوگوں نے دین اسلام قبول کیا۔۳ ؎

یہ وہی بت خانہ تھا جہاں سلطان قطب الدین بھی مسلما ن ہونے کے بعد بھی ہر روز صبح کے وقت حاضر ہوتا تھا۔ بالآخر اسی بت خانہ کو مسمار کر کے ایک خیمہ کا اہتمام کیا گیا اور اس خیمہ میں امیر کبیر اور آپ کے ہمراہ سادات حضرات نے قیام فرمایا۔ وہاں پر چھوٹا سا مسافر خانہ بنایا گیا بعد میں اس ساداتوں کے خیمہ کو یا صفہّ کو ''خانقاہ معلیٰ'' نام رکھا گیا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

غرض امیر کبیرؒ نے کشمیر میں اسلام کے نور کو اسقدر پھیلایا کہ ہر گوشہ و کنار میں اس کی خوشبو مہکنے لگی۔ آپؒ کی تشریف ثانی میں علماء، فضلاء، اور شعراء بھی شامل تھے۔ آپؒ کے حکم سے یہ علماء و فضلاء کشمیر کے مختلف شہروں، گاؤں اور قصبوں میں واعظ و تبلیغ کرنے کے لئے چلے گئے۔ اُن مبلغین کی مادری زبان فارسی تھی گرچہ انہوں نے عربی زبان میں قرآن و احدیث کی تعلیم لوگوں کو دی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی مادری بول چال کا بھی خاص اثر رہا۔ رفتہ رفتہ فارسی زبان وادی کشمیر کی ادبی، مزہبی، تاریخی اور ترسیلی زبان کی حیثیت بن کر اُبھری۔ نتیجۃً یہ زبان خطۂ کشمیر میں چھ سو سال سے زیادہ عرصے تک ادبی اور سرکاری زبان رہی۔ تاریخ گواہ ہے کہ آج ہمارے سامنے شاعری، تاریخ، جغرافیہ، اخلاقیات، فلسفہ وغیرہ کی شکل میں موجود ہے۔ جسکا خاصا اثر کشمیر کے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں آج بھی موجود ہے۔ جہاں پر جوق در جوق طلباء شعبہ فارسی میں درس لیتے ہیں۔ چنانچہ کشمیر یونیورسٹی میں سال رواں میں تقریباً اکتیس سے زیادہ طلباء و طالبات فارسی زبان و ادبیات میں تحقیق کر رہیں ہیں۔

علوم و فنون:۔

میر سید علی ہمدانی سے پہلے وادی میں گرچہ ہزاروں کی تعداد میں گیر اسلامی تعمیرات موجود تھے اور لوگ بت پرستی، گائے، بیل، پتھر وغرہ کی پوجا کرتے تھے۔ آنجناب کی وساطت سے متزکرہ کفر شناسی سے اجتناب اور اللہ کی عبادت کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وادی کشمیر میں جگہ جگہ مسجدیں، خانقاہیں، آرامگاہیں اور اسلامی درسگاہیں تعمیر ہونے لگے۔ صحیح معنوں میں لوگوں کو اسلامی شعور پیدا ہونے لگا۔ اس سے پہلے گرچہ شہر سرینگر میں تین چار مسجدیں آباد تھی لیکن آذان کی رحمت سے محروم تھی۔ اب جبکہ اُسی صفّہ پر جو مسافر خانہ پر بنایا گیا تھا، نماز جمعہ بھی پڑایا جانے لگا۔ اس کے علاوہ کشمیر کے مختلف گوشہ

کنار میں مسجدیں خانقاہیں اور درسگاہیں تعمیر ہونے کے ساتھ پانچ وقت نمازیں، بچوں کو درسگاہوں میں دینی تعلیم، خانقاہوں میں زکرواذکار اور عبادت الٰہی میں لوگ مشغول ہونے لگے۔ خاص کر جامع مسجد سرینگر، جامع مسجد خانقاہ معلیٰ نوہٹہ، جامع مسجد شوپیان اور جامع مسجد بڈگام وغیرہ میں لوگوں کی خاصی تعداد اجتماعی صورت میں نظر آنے لگی۔

فارسی زبان وادب کے لئے ایک خمیر تیار ہوئی تھی جس نے بعد میں ایک ہزار سال عرصے سے زیادہ ادبی تاریخ کی شکل اختیار کی ہیں۔ جواب رہتی دنیا تک نثر ونظم، اور تاریخ کی صورت میں یہاں موجود رہے گی۔ آپؒ نے متعدد درسگاہوں میں دینی تعلیم کے ساتھ مروجہ علوم کی روشنی بھی خطہ کشمیر میں پھیلائی۔ وادی کے مختلف قصبوں میں نجی کتب خانوں کی بنیاد ڈالی۔ اُن کتب خانوں میں ہزاروں کی تعداد میں فارسی وعربی زبان کی کتابوں کا زخیرہ جمع ہوتا گیا۔ اس طرح سے جب لوگوں کے زہنوں میں حق بیدار ہوا تھا اور انکی وہ آنکھیں جو کفر کی ظلمت سے اندھی ہوئی تھی میں روشنی آنے لگی۔ لوگ فی فکر، نیا یقین، فی حرارت، فی قوت عمل، نیا اعتماد اور جوش وخروش کے ساتھ اسلام کے احکام وامور کو بجالانے میں فخر کرنے لگے۔ شاہ ہمدان کے ہمراہ مبلغین نے فارسی زبان کے ساتھ ایرانی فنون کو بھی فروغ دیا۔ ان سب عوامل کی رو سے کشمیر کو ''ایران صغیر'' نام پڑا۔

لوگوں کا رہن سہن:۔

امیر کبیرؒ کی آمد سے کشمیر میں لوگوں کے رہن سہن میں تغیر وتبدیلی آئی ہیں۔ آنجناب کی وعظ وتبلیغ اور روحانیت نے اس قدر زور پکڑا کہ لوگوں نے زندگی کے تمام امور واحکام میں تبدیلی لائی۔ ہندو رسوم وعادات سے اجتناب اور اسلامی تہذیب وتمدن کو اپنانے لگے۔ اور دینی لباس پہننے میں کشمیری عوام فخر محسوس کرنے لگے۔ عورتوں نے پردہ کرنا سیکھا، شادی بیاہ اسلامی رسم ورواج کے ساتھ ہونے لگی۔ دین اسلام کے بنیادی اصولوں سے لوگ صحیح معنوں میں روشناس ہوئے۔

صنعت وحرفت:۔

میر سید علی ہمدانیؒ نے جو سادات ہمراہ لائے تھے انہوں نے ایران کی صنعتوں کو وادی کشمیر میں خاص ترقی دی ہیں مثلاً شالبافی، قالین بافی اور پیپر ماشی وغیرہ۔ وسط ایشیاء کے ساتھ کاروباری روابط بھی بڑھائے۔ چنانچہ آج ہندوستان کے سارے ریاستوں میں کشمیری دست کاری کو ایک خاص مقام حاصل ہے بلکہ اگر یوں کہے تقریباً دنیا کے مختلف ممالک میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ہندوستان کے بعض ریاستوں میں بلخصوص امرتسر، لدہیانہ، ابھور وغیرہ جیسے بڑے شہروں میں مختلف قسم کے کارخانوں میں کمبل، شال، لوہی تیار کی جاتی ہیں مگر لیبل کشمیری لگائی جاتی ہیں۔ جس کا مشاہدہ بندہ نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ غرض کہنے کا یہ ہے کہ شاہ ہمدان کی خداداد صلاحیتوں اور روحانی کمالاتوں سے کشمیری عوام کو ایک خاص تہذیب وتمدن ملا جس سے یہاں کے لوگ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ علامہ اقبال لاہوریؒ نے کیا

خوب فرمایا۔

خطہ را آن شاہ دریا آستین داد علم وصنعت وتہذیب ودین

وادی کشمیر میں آپؒ کے ہمراہ آئے ہوئے سادات:۔

سید السادات کے ہمراہ آئے ہوئے سادا توں کی فہرست سات سو بتائی جاتی ہیں۔اُن میں سے چند سادات کا ضمناً ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔جن کی فہرست مندرجہ زیل ہیں:۔

سیّد محمد مدنیؒ۔آپ بلند مرتبہ والے بزرگ تھے۔موضوع مالہ موہ تحصیل پٹن میں دینی تبلیغ دیتے رہے اور آپؒ کا مقبرہ نوشہرہ سرینگر میں واقع ہے۔

سیّد محمد حصاری شادمانیؒ۔ محلّہ سکندر پورہ میں دفن ہیں۔

سیّد علاالدّین،؛ اسکندر پورہ تحصیل بیروہ میں اپنے دینی فرایض انجام دیتے رہے اور وہی سپرد خاک ہوئے۔

سیّد فخرالدین وسیّد تاج؛ آپ دونوں حضرات سیّد علا والدین کے فرزند تھے۔شہر سرینگر میں دفن ہیں دونوں بزرگوں کا مقبرہ سرینگر کے لوگوں کے لئے زیارت گاہ ہے۔

سیّد زیرکؒ؛ ۔آپؒ سیّد ضیاءالدین کے نام سے مشہور ہیں اور موضع کاندوہامہ،آری پانتھن،تحصیل بیروہ میں دفن ہیں۔

سیّد علی اکبرؒ اور سیّد محمد کرمانیؒ؛ دونوں حضرات تاشوَن میں سپرد خاک ہوئے۔

سیّد محمد حبیبؒ؛ سرینگر میں دفن ہیں۔

سیّد فخرالدینؒ؛ نیوہ کے قصبہ میں دفن ہیں جو تحصیل پلوامہ میں واقع ہے۔

سّد حسینؒ؛ مزار سلاطین زینہ کدل سرینگر میں دفن ہیں۔

سیّد محمد لورستانیؒ: شہر سرینگر کے تاریخی جامع مسجد کے نزدیک دفن ہیں۔

سیّد محمد اصفہانیؒ: کشمیر میں سیّد جانباز کے نام سے مشہور ہیں۔قصبہ بارہ مولہ میں دفن ہیں۔

سیّد محمد خاوریؒ اور سیّد احمد سامانیؒ؛ دونوں بزرگ فتح کدل سرینگر میں دفن ہیں۔

سید علی اکبرؒ: مایہ سومہ سرینگر میں دفن ہیں۔

سیّد خلیلؒ: سدرہ بل،حضرت بل سرینگر میں دفن ہیں۔

سید کمالؒ: جونا یدکھئی سنبھل سونہ واری میں دفن ہیں۔

متزکرہ بالا سادات کے علاوہ سیّد کمالؒ،سیّد بہاوالدین،سیّد نورالدین،سیّد محمد قریش،سیّد محمد کبیر یہقی جو اپنے بھا

یُوں کے ساتھ سکندر کے محل خانہ کے نزدیک دفن ہیں، سیّد محمد متقی، سدنورالدین، سیّد جلال الدین، سیّد محمد کاظم، سیّد نعمت اللہ، سیّد حسین بلاوؒ، حضرت بہاءالدین 'گنج بخش' وغیرہ کشمیر کے مختلف شہروں، پرگنہ جات، قصبہ جات میں مدفون ہیں۔

مندرجہ بالا تمام سادات حضرات شاہ ہمدانؒ کے نقش قدم پر دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ چنانچہ ان سبھی سادات کی بول چال فارسی تھی اسلئے اسلام کے ساتھ ساتھ فارسی زبان نے بھی ترقی پائی۔ آپ سبھی حضرات نے ساری زندگی رشدوہدایت میں بسر کی ہیں۔۱۴

یہاں پر یہ ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا کہ میر سیّد علی ہمدانی اور انکے ہمراہ سات سو سادات کے علاوہ بھی بعد میں ایران و عراق سے سادات کا سلسلہ جاری رہا اور انہوں نے بھی دین اسلام کی مشعل کو آگے بڑھانے میں تقویت بخشی۔ ان میں سے بعض بزرگوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

میر شمس الدین عراقیؒ؛ میر شمس الدین عراقیؒ ۸۸۲ھ میں ایک سفیر بن کر کشمیر آئے۔ آپؒ نے کوہ ماران کے دامن میں ایک وسیع خانقاہ تعمیر کی۔ دوسری دفعہ ۹۰۲ھ میں کشمیر وارد ہوئے اور اپنے ہمراہ درویشوں اور علماء کے بڑے قافلے لائے ہیں۔

بارہ مولہ میں دینی سرگرمیاں شروع کیا اور آپکی پرُخلوص کوششوں اور تعلیمی سرگرمیوں سے کشمیر میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئی۔ ہزار ہا گھرانے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں تلوار اور دل میں بت پرستی کی تمنا ہوتی تھی، اب ان کے ہاتھ میں قلم اور دل ودماغ میں دین اسلام کا جزبہ اور اللہ کی یاد ہیں۔ لیکن متاسفانہ چند مورخوں نے اپؒ کی شخصیت کو تعصب کی نظر سے دیکھا اور انکی شخصیت کو غلط ملط کر کے پیش کیا۔ آپؒ کی زیارت گاہ چاڑورہ بڑگام میں واقع ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں ہر سال لوگ آپ کی زیارت پر بڑی عقیدت کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ آپؒ نے فارسی میں چند کتابیں بھی اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ جڈی بل سرینگر میں بھی آپؒ نے ایک خانقاہ تعمیر کروایا۔

مجتہد اسلام، سرکار آغا سید مہدیؒ: آپؒ نے بھی کشمیر میں دین اسلام، اور فارسی زبان کو رواج دیا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کو پھیلانے میں صرف کی۔ چنانچہ آپؒ کے بعد آپکے بچوں نے اس دینی سلسلے کو جاری وساری رکھا۔ جن میں حجتہ اسلام آغا سیّد یوسفؒ کافی مشہور ومعروف ہیں۔ آنجناب نے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو وعظ وتبلیغ سے نوازا اور متعدد درسگاہوں کی بھی بنیاد ڈالی جو آج بھی قایم ودایم ہیں۔ جن میں قصبہ بڑگام میں واقع 'باب العلم' کے نام سے ایک بڑا درسگاہ قایم ہے اور وہاں پر بچوں کو شروع سے فارسی زبان وادب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حجتہ اسلام آغا سید یوسفؒ کے بعد آپ کے فرزندار جمند حجتہ اسلام آغا سید محمد فضل اللہ دور حاضر میں دین اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ توجہ کی بات یہ ہے پوری وادی کشمیر میں آپ ایک ایسے نادر خطیب ہیں جو اپنی وعظ وتبلیغ پہلے فارسی اور بعد میں

کشمیری ترجمہ فرماتے ہیں۔آنجناب کے سارے اسلاف بڈگام میں مخصوص مقبرے میں مدفون ہیں۔وہاں پر ایک بڑا روضہ بھی بنایا گیا ہے جس کی دیواروں پر فارسی زبان کے اشعار لکھے گئے ہیں اور قبروں پر سنہ وفات بھی فارسی زبان میں کندہ کر کے لکھے گئے ہیں۔

سیّد بولاقیؒ؛ آپؒ رضوی ساداتوں میں سے ہے اور پارس آباد بڈگام میں دفن ہیں۔آپؒ نے اپنے زمانے میں کئی کرامات دکھائے ہیں۔جن میں سے مشہور واقعہ یوں ہیں۔'' آج سے چار سو سال پہلے جب پارس آباد کے گاؤں کو جو اس وقت ہزار گھرانوں پر مشتمل تھا پانی کی سخت قلتی تھی۔یہاں تک کہ کھیت بھی قابل کاشت نہ رہی تھی۔تو کہتے ہیں آنجناب نے نالہ کرشن سے اپنا آسا شریف زمین پر رکھا اور آگے چل پڑے،آپ جناب آگے بڑتے رہے اور پانی کی نہر بنتی گئی اور تقریباً دو ہزار گز نکلنے کے بعد ایک کوہ درمیان میں آیا،تو اپؒ نے آسہ شریف کو کوہ کے نیچے گاڑ دیا اور تقریباً ہزار میٹر لمبی نہر کوہ کے نیچے سے نکل پڑی اور پھر آگے چلتے رہے یہاں تک کہ دو کلومیٹر نہر گاؤں تک پہنچادی۔آج وہ نہر' گامہ کول' کے نام سے مشہور ہیں۔یہ نہر اور وہ سرینگ آج بھی موجود ہیں۔

حاجی جعفر شاہ: آپؒ نے سات مرتبہ کشمیر سے پیادہ حج کے فرائض بجالائے اور سنت رسول ﷺ کی پیروی ساری زندگی بسر کرتے رہے۔پارس بڈگام میں مزار شریف ہیں۔

سید حسین قمیؒ: آپؒ ایران کے شہر قم کے رہنے والے تھے۔سلطان بڈشاہ کے عہد میں ۸۲۴ھ میں کشمیر تشریف لائے۔آپؒ کو علم قرآن وحدیث،فلسفہ،منطق،فقہ،رجال و دیگر علوم میں کامل دسترس حاصل تھی۔سیّد حسینؒ نے علاقہ زینہ گیر میں تبلیغ اسلام کا کام انجام دیا۔آپؒ باغ خاص میں دفن ہیں۔جو بعد میں سید پورہ کے نام سے مشہور ہوا۔

سید محمد ہمدانیؒ:۔میر سیّد علی ہمدانی کے فرزند ۷۹۵ھ میں وارد کشمیر ہوئے۔آپؒ کے ساتھ تین سو سادات بھی کشمیر تشریف لائے ہیں۔آنجناب نے بدمت اور ہندوں کی بڑی جماعت کو دائرہ اسلام میں لایا۔چنانچہ آپؒ کے ہمراہ سادت کی رشد و ہدایت سے سلطان سکندر بہت متاثر ہوا اور ملک میں اسلامی قوانین نافظ کیئے۔ سید محمد ہمدانیؒ نے خانقاہ ہمدانیہ کو ازسرنو تعمیر کیا۔آپؒ نے اپنی ساری زندگی دینی خدمات میں گزاری ہیں۔

آثار امیر کبیرؒ:۔غرض میر سید علی ہمدانیؒ نے خطۂ کشمیر میں ایسی فضا بنائی رکھی تھی کہ بعد میں آنے والے سادات کو اُس فضا میں کشمیری عوام کو اسلامی سیر کرنے کی رہبری ملی۔شاہ ہمدان نے نہ صرف اسلامی علوم میں کمال حاصل کیا تھا بلکہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ قادرالکلام مصنّف بھی تھے۔انہوں نے کئی رسالے اور کتابیں فارسی و عربی زبان میں یادگار چھوڑے ہیں۔بیشتر تصانیف فارسی زبان میں ہیں۔جن میں سے بعض فارسی رسالوں کے نام یوں ہیں۔

''رسالہ منہاج العارفین، رسالہ مکتوبات، رسالہ حل مشکلات، رسالہ ذکریہ، رسالہ فقریہ، رسالہ اخلاقیہ، رسالہ کشف الحقایق، رسالہ اصطلاحات نورالدین جعفر، رسالہ مراۃ التائبین رسالہ مشبہ دیگر، رسالہ فتوتیہ، رسالہ نفسیہ، رسالہ مناجات، وغیرہ''۔

نیز مندرجہ ذیل تصانیف کے بھی خالق ہیں۔

''مجموعہ احادیث، شرح اسماعی حسنیٰ، ذخیرۃ الملوک، شرح فصوص الحکم، شرح قصیدہ لامیہ، ابن فارض، آداب المریدین، اوراد فاتحیہ، رسالہ عقلیہ، رسالہ وجودیہ، رسالہ درویشیہ، رسالہ ہمدانیہ، رسالہ مشارب الاذواق، رسالہ سیر الطابین، رسالہ مکتوبات، رسالہ اعتقادیہ، رسالہ نوریہ، رسالہ صفریہ، رسالہ معرفت ذاہد، واردات امیریہ، چہل اسرار وغیرہ''۔

عربی زبان میں بذیل تصنیفات ہیں:۔

''رسالہ معرفت، رسالہ اورادیہ، چہل حدیث، رسالہ زکریہ، رسایہ قدوسیہ، رسالہ اربعینیہ، رسالہ خواطریہ، رسالہ احدیث وغیرہ''۔

حضرت شاہ ہمدان کے بیشتر رسائل وتصانیف بلند مرتبہ، تصوفانہ اور معرفت کے معنیٰ سے سرشار ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۷۷ ابتائی جاتی ہیں۔ ۱۵ بقول پروفیسر شریف حسین قاسمی ''اس معروف صوفی ،مبلغ کے بارے میں اظہار نظر کرنیوالوں نے ان کی تصانیف کے تعداد سو، ڈیڑھ سو یا ایک سو اسی لکھی ہے۔ جہاں شاہ ہمدان کے زندگی کے بارے میں ان کے معتقدین نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں جو شاہ ہمدان سے ان کے بے پناہ جوشِ عقیدت کا نتیجہ ہیں، وہاں یہ تعداد بھی بظاہر مبالغہ آمیز نظر آتی ہیں۔'' ۱۶ ہر چند کہ آپؒ کی تصانیف جو منظر عام پر آئی ہیں فارسی زبان وادبیات کے لے ایک انمول خزانہ ہیں۔ انہوں نے بعض رسالوں میں نظم کے زریعے مطالب بیان کئے ہیں جس سے ان کی فنی مہارت جھلکتی ہیں۔ رسالہ فتوتیہ سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ای چوالف عاشق بالای خویش　　　انس تو با وحشت وسودای خویش
ز اہل وفا ہر کہ رسید　　　بیشتر از راہ عنای رسید

مطالعے سے پتہ چلتا ہے میر سید علی ہمدانیؒ کے بیشتر قلمی نسخے کشمیر کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہے مگر بندہ کی نظر سے جو قلمی نسخے گزرے ہیں وہ ذیل میں ایکسیشن نمبر کے ساتھ دئے جارہے ہیں۔

شرح اسماء الحسنہ ۔۱۱، رسالہ مرادیہ۔۷۷۴، اختیارات منظوم ۔۷۵۷، منہاج العارفین ۔۵۹۵، ایضاً۔۱۰۳۴، ایضاً۔۱۵۰۵، ذخیرۃ الملوک ۔۱۶۰۰، ایضاً۔۱۹۷۰، ایضاً۔۲۲۸۸، ایضاً۔۲۲۸۱، ایضاً۔۲۹۴۳ ہفت واری ۔۱۶۳۰، مجموعہ رسائیل میر سیّد علی ہمدانہ ۔۱۹۶۶، رسائیل میر سیّد علی ہمدانی ۔۱۹۷۹، منازل اربعین و ذخیرۃ الملوک ۔۱۹۸۴، دہ قاعدہ۔

۲۰۲۸، چہل اسرار۔۲۱۲۳، ایضاً۔۳۳۴۴، بیاض ہمدانیہ۔۲۹۲۳

آپ ؒ کے متذکرہ بالا سارے مخطوطات کشمیر یونیورسٹی کے علامہ اقبالؒ لائبریری میں شعبہ تحقیق میں موجود ہیں۔

شاہ ہمدان اپنے زمانے کے اچھے شاعر بھی تھے۔آپؒ کی شاعری سرچشمہ دین اور مقصد تبلیغ ہے۔امیر کبیر نے اپنی شاعری میں لسانی، فنی اور جمالیاتی مضمرات کو شاعرانہ قالب میں مہارت کے ساتھ برتا ہے۔نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

گرہمی قاف قربی بال ہمت برگشا　　　　در فضای لامکان باقُدسیاں انباز شو ۱۷

امیر کبیرؒ کی شاعری کے بہت سے پہلو ہیں اور ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔میں یہاں پر ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کا سب سے اہم پہلو اسلامی نظریہ ہیں۔جس کی بدولت آپؒ کی شاعری سے بھی رشد وہدایت کے سینکڑوں چشمے پھوٹتے ہیں۔کیا خوب فرمایا ہیں۔

زِعکس روی تو یابند مقبولان ہدایت ہا　　　　زخاک کوی تو یابند مسعودان سعادت ہا

عنایت ہای بی علت کہ با ہر مفلسان داری

تسلی میدہد دل را امید آن عنایت ہا

نتائج: حضرت میر سید علی ہمدانی ؒ نے کشمیر کو تین بار اپنی تشریف آوری کا شرف بخشا۔ہر سہ مرتبہ دینی خدمات میں سرگرم رہے۔آخری بار تشریف آوری ۷۷۵ھ میں ہوئی۔ایک سال قیام کے بعد اپنے وطن تشریف لے گئے۔اور کچھ مریدوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور بیشتر کشمیر میں ہی سکونت پزیر ہوئے۔اس حقیقت سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ امیر کبیر کی فیض یابیوں سے ہی کشمیر میں دین اسلام کے ساتھ فارسی زبان وادبیات نے ایک اعلیٰ مقام پایا۔گرچہ آپؒ کے ساتھ آئے ہوئے سادات عربی زبان پر بھی عبور رکھتے تھے تاہم اس زبان میں وہ قران واحدیث کی تعلیم دیتے رہے۔لیکن فارسی زبان میں انہوں نے وعظ وتبلیغ فرمائے۔ اور رفتہ رفتہ فارسی کشمیر کی ادبی، مذہبی،، تاریخی اور ترسیلی زبان بن گئی۔مرُوجہ تعلیم کو بھی کشمیر میں امیر کبیر نے ہی قبولیت کا تاج بخشا۔یہی وہ زبان ہے جو وادی کشمیر میں چھ سو سال عرصہ سے زیادہ درباری اور رسمی زبان رہی ہے۔گرچہ آج تنزول کی شکار ہے اس کے بدلے میں اردو زبان رائج ہوئی۔آثار ہای بے شمار آج بھی نظم و نثر، تاریخ، جغرافیہ، اخلاقیات، ثقافت اور ہنر ہای گوناگوں کی شکل میں موجود ہیں۔آپؒ کی خداداد صلاحیتوں سے کشمیر فارسی علم وادب کا گہوارہ بن گیا۔اور تب سے لیکر آج تک بے شمار عالم، شاعر، ادیب اور مورخ پیدا ہوتے رہے۔

شاہمدان کشمیر میں ابدی نور لے کر آئے اور اس نور نے خطہ کشمیر کا نقشہ ہی بدل دیا۔دین اسلام کے ساتھ فارسی زبان وادب اور ایرانی تہذیب کے وہ نقش نگار پیچھے چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک زندہ وجاوید رہیں گے۔آپؒ کشمیر

میں 'بانی اسلام' کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔شاہ ہمدان نے ایک طرف کشمیری عوام کو مندروں، گائے، بکری، پیڑ، پتھر وغیرہ کی پوجا سے نجات دلائی۔اور دوسری طرف بدلے میں نماز، روزہ، آوراد فاتحیہ اور قرآن شریف کی تعلیمات سے نوازا۔ایک طرف مندروں کو مسمار کروایا اور دوسری طرف خانقاہیں، مسجدیں اور درسگاہیں تعمیر کروائیں۔ایرانی صنعت وحرفت کو فروغ دیا۔ان سب عوامل کی رو سے کشمیر کو 'ایران صغیر'' کا نام پڑا۔

کشمیر میں سینکڑوں قلم کاروں، مصنفوں، اور شعراء نے اپنی طرف سے آپؒ کو گل ہای عقیدت پیش کیے ہیں۔چندین اشعار ملاحظہ فرمائے۔

شیخ یعقوب صرفیؒ فرماتے ہیں۔

در ایں رہ مرشد حقانی آمد کہ ثانی علی ثانی آمد۔۔۔
علی ثانی آں سلطان عالم علی نام و ز اولاد علی ہم ۱۸

خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ یوں عقیدت کے نظرانے پیش کرتے ہیں۔

اسلام را بانی توئی بانی مسلمانی توی۔۔۔
کشمیر را آباد کن از درد و غم آزاد کن ۱۹

بیگ خاں کامل بدخشی۔

اہل کشمیر را پناہ است او رہبر خلق تا آلہ دست او۔۔۔۔
پیر من حضرت امیر شدہ پیر پیرانِ بے نظیر شدہ ۲۰

خلدیؔ کشمیری اپنے جزباتوں کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

خاصہ کشمیر کان ز مقدم میر رست از دست بُرد بیدینان ۲۱

طاہریؔ نے اپنے ذہین الفاظوں میں امیر کبیرؒ کو شعر کے قالب میں یوں عقیدت نظرانہ پیش کیا ہیں۔

شاہ ہمدان ماہ تابان در جہان بود بیشک رہنمائے گمرہان
داد پیغام خدا اندر عجم روم، شام، ایرن و در ہندوستان
بت کدہ بت خانہا ویران شدند جا بجا آباد مسجد بیگمان !!
بلد کشمیر پاک شد از کفر و شرک ذکر وحدت رفت جاری بر زبان
داد تحفہ مردم کشمیر را ذکر وحدت ورو د فتحیہ بدان!!
در عبادات خدا و ذکر و فکر منفرد د بدُ محسنِ کشمیریان!!!

بانئ اسلام در کشمیر شد ثانئ حیدرؑ امیر غا زیان
بلبل شعر و سخن آں بے مثال عندلیب خوش نوا در گلستان
گنج علم و معرفت تصنیف او تا قیامت رہنمائے طالبان۔۔۔

تمت

حوالہ جات وکتابیات

۱ جاویدنامہ از علامہ اقبالؒ
۲ کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ از عبدالقادر سروری، ۱۹۶۸ء، ص۔۱۰۲
۳ گلشن ابراہیم معروف بہ تاریخ فرشتہ از ملامحمد قاسم ہندوشاہ مطبع نولکشور لکھنو ۱۹۳۳ء
بھائی گرو داس لائبریری گورونانک دیونیورسٹی امرتسر ،پنجاب،ص ۔ ۵۳۶
۴ سیرت شاہ ہمدان مصنف پیرزادہ عبدالخالق طاہری، ۲۰۱۵ء سٹی بک سینٹر،سرینگر ،ص۔۴
۵ تاریخ فرشتہ اردو ملامحمد قاسم ہندو شاہ مترجم نولکشور لکھنو پریس، ص ۵۳۵
۶ کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ از عبدالقادر سروری، علامہ اقبالؒ لائبریری سرینگر
۷ سیرت شاہ ہمدان از طاہری، نیشنل آرکاوِز، سرینگر،ص۔۲۴۔۲۵
۸ مفصل تاریخ وتحریک کشمیر جلد اوّل مرُتبہ شبنم قیوم، ۲۰۱۵ء، سٹی بک سینٹر بڈشاہ چوک سرینگر، ص۔۷۰
۰ آینہ کشمیر از محمد یوسف شفیق،ص۔ ۷۲
۰ تاریخ کشمیر از سیّدعلی مترجم غلام رسول بٹ
۹ گلشن ابراہیم از ملامحمد قاسم ہندوشاہ، (فارسی)،ص۳۳۹۔۳۴۰
۱۰ تاریخ حسن، جلدسوم، پیرغلام حسن کھویہامی،مطبع سرینگر ۱۹۶۱ء
۰ کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ از عبدالقادر سروری
۰ دیگر مورخین نے بھی اسی روایت پر اکتفا کیا ہیں
۱۱ بہارستان شاہی مولف نامعلوم
۰ تاریخ کشمیر از سیّدعلی ص۔ ۶
۱۲ ایضاً۔ص۔۵
۱۳ ایضاً ص۔۵۔۶

۱۴؎ تاریخ حسن از حسن کھویہامی۔ص۔ ۳۵ تا ۶۷
۱۵؎ راہ اسلام،شمارہ۲۰۰۔۱۹۹،جنوری تا جون ۲۰۰۶ء مطبع خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران دہلی
۱۶؎ سیرت شاہ ہمدان از طاہر یص۔ ۲۸۳
۱۶؎ راہ اسلام شمارہ ۲۰۰۔۱۹۹، جنوری تا جون ۲۰۰۶ء۔ ص۔۱۶۹
۱۷؎ دانش مجلّہ ادبی وتحقیقی شعبہ فارسی دانشگاہ کشمیر سال،۲۰۰۹۔ ۲۰۱۰ء،ص۔۱۹
۱۸؎ سیرت شاہ ہمدان۔از۔طاہری۔ص۔ ۴۴۰
ایضاً۔ص۔ ۴۴۵
ایضاً۔ص۔۴۱۹
ایضاً۔ ص۔۴۶۴

نیز مورد استفادہ

1983Islamic culture in Kashmir G .M. D. Sofi New Delhi
دانش مجلّہ ادبی وتحقیقی۔شعبہ فارسی۔دانشگاہ کشمیر۔سال ۱۹۸۰
ایضاً۔شمارہ ۱۹
ایضاً۔شمارہ ۱۵
ایضاً۔شمارہ ۲۲
ایضاً۔شمارہ ۲۷
امیر کبیر از سیّدہ اشرف،کشمیر یونیورسٹی
تذکرۃ الاولیأ کشمیر،شمس الدین احمد، سرینگر ۱۹۷۴ء نیشنل آرکائوز، سرینگر

☆☆☆

شاہد نوخیز اعظمی (پروفیسر)
شعبۂ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

برہمن کی تصنیف ''چہار چمن'' پیغام عبرت

سرزمین ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ علمی ادبی مذہبی اور تاریخی اعتبار سے یہ انتہائی قدیم اور تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہی ہے ہندوؤں کے پراچین گرنتھوں شاستروں ویدوں اور دھارمک رچناؤں میں اس پوتر دھرتی کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جس طرح آسمانی صحیفوں میں عرب مصر فسلطین اور یمن کے علاقوں کی داستان اور قصص الانبیاء ہیں اسی طرح پرانوں کے مطالعہ سے اس علاقہ کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوتا ہے یہ سرزمین انتہائی قدیم پاک پوتر اور پرنور رہی ہے اس کو سادھو سنتوں رشیوں منیوں تیاگیوں بیراگیوں کی عبادت گاہ اور دیوی دیوتاؤں کا مسکن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے ہندوؤں کی قدیم دھارمک کتابوں پرانوں اور تاریخوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کی زبان ثقافت اور تاریخ دنیا کی قدیم ترین تاریخوں میں سے ایک ہے اس سرزمین کے بہت سے حصے دھارمک اعتبار سے انتہائی اہم ہیں جس میں بنارس، اجودھیا، پریاگ راج، ہریدوار، وندھیاچل، اندر پرستھ، سارناتھ، پنجاب، کشمیر، تروپتی، اوجین، دکن، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، سناتن دھرم، سکھ دھرم، بودھ دھرم، جین دھرم، کے ساتھ ساتھ یہاں مسلمانوں کے بھی اہم اصلاحی وفلاحی مراکز شامل ہیں اس سرزمین پر صوفیوں نے بھی دستک دی اور اپنے رموز ونکات سے اسلام کی ترویج واشاعت میں گراں قدر کارنامے انجام دئے، جب یہاں اہم تجارتی مراکز ہوا کرتے تھے اور دولت سے یہ ملک مالا مال تھا اس وقت بھی صوفیوں نے اس دنیا کو فانی قرار دیکر اسے آزمائش اور امتحان گاہ بتائی اور ہمیشہ آخرت کو اس فانی دنیا پر فوقیت دی، جب مختلف حملہ وروں نے اس سرزمین پر خوں ریزی اور قتل وغارت گری کرکے دھن دولت کو لوٹا اس وقت بھی یہاں کے عالموں صوفیوں اور یوگیوں نے اس طرف توجہ نہیں دی اور صرف عاقبت بنانے کی فکر میں دنیا کو ترک کرنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی اسی وجہ سے یہاں نہ صرف متعدد حملے ہوئے بلکہ مختلف حکومتیں بھی قائم ہوئیں، ان حکومتوں میں بہت سی حکومتیں تو صرف اس لئے قائم ہوئیں کہ وہ یہاں سے مستفیض ہوتی رہیں اور یہاں کے قیمتی زروزیورات کو حاصل کریں جبکہ چند حکومتیں ایسی بھی قائم ہوئیں جنہوں نے اسے ہی اپنا ملک سمجھا اور مستقل قیام کرکے یہاں ترقی وترویج کے لئے کوشاں بھی رہے ان حکومتوں میں سب سے اہم حکومت مغلیہ حکومت ہے جس کے عہد میں یہاں ہمہ جہت ترقی بھی ہوئی اور علم وہنر اپنے نکتۂ عروج پر پہنچ گیا اسی زمانہ میں یہاں فارسی کو بھی انتہائی عروج حاصل ہوا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی

زبان وادب کی نشو ونما کا سلسلہ مغلوں سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اور بتدریج ارتقائی منزلیں طئے کر رہا تھا غزنوی فرمانرواں ،مملوک سلاطین، خلجی، لودی، بہمنی اور تغلق گھرانوں نے اپنے اپنے عہد اور اپنی حدود سلطنت میں بساط کے مطابق فارسی زبان وادب کے فروغ کے لئے کوشاں رہے مغلوں کے زمانہ میں اکبر و جہانگیر کے دور میں فارسی کی ترقی اپنے انتہا کو پہنچ گئی مختلف زبانوں سے مقبول کتابوں کے تراجم ہوئے متعدد موضوعات پر تصانیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا اور علم کے بیشتر جواہر ریزے فارسی زبان میں منتقل ہوتے رہے جبکہ شاہجہاں کے زمانہ میں فارسی صرف سرکار یا امراء کی زبان نہ ہوکر عوام کی زبان بن چکی تھی اور بیشمار علماء ادباء مورخین محققین اور مترجمین سے اسکا دربار بھرا ہوا تھا جہاں ہر علاقہ اور ہر مزاہب کے لوگ علم وہنر کی خدمات انجام دے رہے تھے مسلمانوں کے دوش بدوش بہت سے دیگر مزاہب کے لوگ بھی ایسے تھے جنہوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں انہی علماء میں ایک مشہور ومعروف نام چندر بھان برہمن کا تھا جو انتہائی عالم فاضل، محقق، مورخ، پنڈت اور دیگر مزاہب کے رموز ونکات سے واقف بھی تھا اس نے ہندوستان کے ہر علاقہ اور ان کی تہذیب وثقافت کے ساتھ علم وادب میں ہوئے گراں قدر کارناموں کو بھی تحریری شکل دیکر منظر عام پر لایا اس کی شخصیت بہت ہی ہمہ گیر و ہمہ جہت تھی اس نے ویدانتوں اور ہندو موحدین کے خیالات کو محنت سے فارسی میں منتقل کیا ،جوگ وشسٹ اور اپنشدوں کا بھی ترجمہ کیا اس کی تحریریں انتہائی مستند غیر جانب دارانہ اور حقیقت پر مبنی ہیں۔

چندر بھان برہمن نے اپنی نثری تخلیقات میں بھی تصوف کے رموز ونکات پر بحث کی ہے اور اپنے قارئین کو درہائے تصوف سے روشناس کرایا ہے خدا کے وجود اور خلقت کی بناء پر روشنی ڈالی ہے، چونکہ یہ دنیا خدا کی خلقت ہے یہاں کی ہر ایک چیز اسی کی بنائی ہوئی ہے اسنے انسان کو پیدا کیا اسے مختلف علوم وفنون سے آراستہ وپیراستہ کیا اسکے سبزہ وگل تعمیر کئے اسنے انسان میں جسمانی اور روحانی طاقت بھی داخل کی اور روحانی طاقت جب جسم اور دنیاوی مساوات پر غلبہ پالیتی ہے تو فرشتہ صفت بن جاتا ہے اور اگر ذرا سی لغزش ہوجائے تو اس دنیا کے اندھیرے میں گم بھی ہوجاتا ہے برہمن نے ان خیالات کا اظہار چہار چمن کے چمن آخر میں اس طرح کیا ہے:

''اولین بنای کہ دست قدرت قادر مطلق در خانہ تکوین وایجاد گزاشت وبہترین صنعتی کہ صانع برحق برفراز بیداری آورد، خلقت انسان است کہ بہ چندین شیون وفنون آراستہ وپیراستہ وبانواع جلی وحلی مزین ومرتبت گشتہ آنچہ از اصول وفروغ ومحصول مزروع برسطح ارض وسما محسوس ومشہود است غذای روحانی وجسمانی واسباب مفتح وکامرانی اوست۔ استعداد انوار روحانی بروفایق گردد کہ بمراتب فلکی فائز شود۔ واگر از رف شقاوت ذاتی در ظلمت آباد نادانی خرد رود بہ بہائم متشابہ باشد۔ رباعی:

آدمی زادہ طرفہ معجون است

از فرشتہ سرشت در حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں
در کند میل آں شود بہ ازاں

نفس کی طاقت مسلم ہے وہ آفتاب کی طرح قائم اور روشن ہے اور موتی کی طرح چمکدار ہے، انسان کو اپنی سمجھ بوجھ کے ذریعہ نفس کا پتہ لگانا چاہئے تاکہ اسکی آنکھوں اور دل کی صفائی ہو جائے، بہترین علم سے آراستہ و پیراستہ عالموں صوفیوں اور استاذوں نے اپنے علم و ہنر کے ذریعہ دقیقی سے دقیق باتوں کا پتہ لگایا ہے اور اس تحقیق کو انہوں نے اپنی تصنیفوں، تاریخوں اور رسائل میں یکجا کر دیا تاکہ آنے والے زمانہ میں عام آدمی اسکی سچائی کو جان سکیں برہمن نے اس بات کو اس انداز میں پیش کیا ہے:

''امانفس زآفتاب حقیقت پایاں و گوہر معرفت درخشاں است دیدہ بینا، دل دانا، بجہت دید و دریافت آں مطلوب کوشش کن کہ دیدہ را ضیاے و دل را صفائے حاصل شود۔ از آغاز آفرینش عارفان و عاشقاں و کاملاں و اصلاں و مقبولاں و داناياں و پیشوایان ہر قوم و استادان ہر سلسلہ مطابق قانون و قاعدہ و رسم و روش و طرز و طریق خود آنچہ لازمہ تحقیق و دریافت اصل کار بودہ بدستیاری خرد حقیقہ اساس در ہمنموئی عقل حق شناس مخفی و مستور نماندہ واز دقائق و حقایق دقیقہ و لطیفہ از خرد دور بیں و فہم صواب گزیں شاں فروگذاشت نشدہ واز مشرب و مذہب ایں گروہ والاشکوہ کتب و تواریخ و نسخہا و دفترہا مملو از ما کہ دور بین و خرد صواب گزیں و گوش حقیقت نیوش۔ بخشیدند باتباع و سماع اقوال و افعال ایں طبقہ صافی نہاد پے بمطلب بردو سراز مقصود برآوردہ و خود را در معرض گفتگو آوردن اگر چہ کہ در آغاز حال کہ ہنگام جوش و خروش دریای طلب است امابعد از شناخت حال مہر سکوت برلب گذاشتن اولی است۔ رباعی۔

آنانکہ ز عشق و رنگ بوی دارند
از آب دویدہ آبروئی دارند
چوں غنچہ بصد زیاں خموشند ولی
در پردہ بخویش گفتگوی دارند

چندر بھان برہمن آگہی کے بارے میں اپنے خیال ظاہر کرتا ہے کہ یہ جو تیری عمر ہے یہ تمیز اور عقل سے کام لینے کی عمر ہے نہ کہ غفلت میں بس گزارنے کی اور انسان سے جو بھی غلطیاں ہوئیں ہیں انہیں اسکی تلافی کر لینی چاہئے کیونکہ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا اور جو وقت گزر جائے گا اس کی آئندہ تلافی نہ ہو پائے گی اسلئے بہتر ہے کہ آج کا کام آج ہی کر لیا ہے اس سلسلہ میں برہمن یوں رقم طراز ہے:۔

''اے عزیز وقت تمیز و ہنگام امتیاز است، نہ محل تغافل و اغماض عمری کہ بی طالب گذشت تلافی آں بکوش اگر چہ نقد عمر گرانی را عوضی و بدلے نباشد و تلافی گذشتہ در آئندہ متصور نہ، لیکن غرض از تاکید آنست کہ آئندہ چوں گذشتہ مگذار قول بزرگاں راہ راست کہ امروز ہماں بہ کہ فردا ابکار آید کہ امروز بعمل آید۔ قطعہ۔

آنانکہ بفردا نظری داشتہ اند
امروز ہر انچہ کشتے کاشتہ اند
چوں خاک فتادہ اند در راہ نیاز
در دیدۂ حرص خاک انباشتہ اند

یہ دنیا حادثوں کی دنیا ہے یہاں سوائے توکل کے اور راستۂ نجات نہیں، جب انسان خلوص اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے، ایسے اشخاص کے دل میں سکون، آنکھوں میں محبت خلق اور تسلیم و رضا ہوتی ہے، صاحبان توکل ہی اس دنیا کو صحیح راستہ دکھانے والے ہیں برہمن کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں:

''از تاب آفتاب حوادث روزگار غیر از سایہ دیوار توکل نتواں رست چوں گوشہ توکل نصیب رہروان وادیٔ اخلاص گردد، سر بسایہ طوبیٰ فرو و نظر بر شاخ و برگ باغ جناں بینداز و تدبر رہمتوں خاطر خطیر شان، غبار کوی تعلق راہ نتواند گشت سیر چشماں مایدہ رضا و تسلیم محبت جگر و آب دیدہ شگفتہ جبیں و چہرہ تازہ باشند و بقطرہ آبی آبروئے خود را نریزند خاک کوچہ قناعت صندل جبیں ارباب توکل است۔ ابیات:۔

مرد چوں در راہ توکل شود
خار مغیلاں برہش گل شود
خار گل اندر نظر برہرواں
میدہد از گلشن معنی نشاں

برہمن گناہ اور ثواب کے بارے میں مطالعۂ محاسبہ لکھتا ہے:

''چوں بار جرم و گناہ بر دوش دل گرانی گرفت و مغلوب استیلای طبیعت گشتم یکی از گرد حال خود گردیدم۔ لختی از خود رفتم و باز بخود آمدم حیران تضیع اوقات خود گشتم و بر کرد کار خود نادم شدم و بتاسف تحیر در ماندم خواستم کہ اشکے چند کہ طوفانی از دیدہ فرو ریزم و ماتم ایام گزشتہ بدارم و بتدارک آں بکوشم و نوحہ کناں بدر یوزہ از باب حال روم شاید داد خود انجا یابم و بمطلب خود از اں لاوسم دریں مطارحہ در عالم دیگر افتادم آنچہ از دیگری جستم در خود یافتم ہمیں فساد نقس بود کہ سد راہ مطلب میشد چوں ترک مقاصد جسمانی کردم راہ بعالم روحانی بردم تن را خکستر آتش ساختم۔ آئینہ خاطر را جلای دیگر دادم، چوں سر بگریباں

بردم عالمی یافتم دیگر جہانی دیدم از جہاں برتر کاری دیوانہ دار رو بصحرا شتافتم گاہی دانا مثال خود را در کنج خلوت انداختم ازیں شادی بخود ایں قدر نالیدم کہ دلم از ہوش رفت و ہوش از دل در گلشن ندامت بمنزل مقصود ندیدم بخون نابہ جگر را در پردہ دل نتیجہ صافی تر از بادۂ ناب ساختم لخت جگر را کباب نمودم ما حضری بجہتہ نفس آوردم و بدستیاری توفیق از طریق خطا، صرب صواب آوردم و بعزم درست نائب اعمال ناشائستہ گشتم مجادلہ بانفس ایں دولت یمن ارزانی داشت اگر سرکشی کند گوشمالش دہم ہمیں الفت طبیعت است کہ بہوا جنس نفسائی فریفتہ دارد یہ آب و رنگ ظاہر فروغ بسیمای حال نبایدداد۔ بجنس وخاشاک غفلت چشمہ صافی دلاں رانشایدانباشت۔ رباعی:۔

چشمۂ دل منبع فیض خداست
زندہ دل آنکس کہ بدل آشناست
بادل خود محرم و پیوستہ باش
راست بہم صاف چوں آئنہ است

توبہ خدا کے قریب ہونے کا راستہ بھی نہ کہ صرف گناہوں سے معافی۔ کیونکہ اگر کسی انسان نے یہ سمجھ لیا کہ اس نے کوئی غلط کام ایسا کیا ہے جو اس کے خالق کی نظر میں بھی غلط ہے تو اس کا خالق بھی اپنے اس نادان بندے کی طرف رجوع ہوتا توبہ کے مراتب اور اس پر استقامت کے بارے میں برہمن لکھتا ہے کہ:۔

''چوں مبتدی را بر شوق بر نیل مطالب بہم رسد باید کہ ترک لذت صوری نمودہ معنی گراید و در یابد کہ ایں شوق را کنارہ و پایانی نیست و در ہر قدم موانع و حوادث بسیار۔ نخست در مقام دفع آں در آید تا حجاب از پیش چشم او بر خیزد۔ برہمنونی خرد دور اندیش سراز مقام مقصود بر آورد و توبہ را از الہ جمیع امراض مہلکہ نفس نماید توبہ صیقل است آئینۂ دل را اول قدم مردان وادی خاص اظہار ندامت و تائب گشتن است و بعد از توبہ استقامت است بر جادۂ آں، اصل مقام سالکاں استقامت است کہ چوں نفس بر جادہ صواب مستقیم باشد از زلات قدم ایمن گردد۔ بیت:۔

اول بنای توبہ گزیناں ندامت است
و آنگہ نہادن آں قدم استقامت است

اگر چہ در معالجہ امراض نفسانی ارباب علم و عمل نسخہا نوشتہ اند اما آنچہ بانتخاب رسیدہ اینست کہ ایں مریض را از چیزہای کہ باعث مضرمت اوست مبرہمن باید نمود و در مقام اصلاح مہمات باید در آید۔ اگر دریں باب مسائلہ روزگار بفساد انجامد و آج مرض از علاج افتد کلیہ دریں راہ حاضر بودن است بر اوقات خویشتن و دریافتن معاملہ حال خویش کہ چوں کسی شناسای خود شود و خود را فاسد داند ناچار در مقام اصلاح در آید و بہ تدریج از بیماری نفس امارہ بر آید۔ ابیات:۔

دشمن تست نفس سرکش تو
در کمینگاہ کردہ کاہش تو
تا تو آموز کار خود نشوی
قابل روز گار خود نشوی

کچھ لوگ اس دنیا میں تعلقات کی بناء پر پھنسے ہوئے ہیں اور اسی کو اپنی زندگی سمجھتے ہیں یہ بھی نہیں سمجھتے کہ انہیں کس لئے پیدا کیا گیا ہے اور انکا وجود ان سے کیا مانگتا ہے۔ خدا نے اسکی ہستی سے کیا کام لینے چاہے ہیں اور وہ کن مشغولیات میں دفن ہے برہمن زندگی کے اس فلسفہ کے بارے میں رقم طراز ہے:۔

''جمعی کہ در دام تعلق گرفتار اند با میدداد نہ ہوس کشت زار جود را با دیدہ خون جگر سرسبز داشتہ در آخر کار بجز تاسف و تحیر نمی نمایند و غافل از درس جانکاہ غفلت وایمن از شغل دہقاں روزگار کہ ہر لحظہ از خوشہ عمر دانہ دانہ جدا کند و ہر روز خرمن ہستی بباد دہد۔ ایں نقد بعوض و بدل عمر گرامی است کہ رایگاں صرف میشود۔ حیران ایں شغل روزگارم کہ عمر لحظہ کمتر میگردد و شغل ہر لحہ بیشتر تا چند ازیں و آں سخن گفتن نباید گفت و کار باید ساخت۔ اول نقش اندیشہ غیر از صفحہ خاطر زایل باید ساخت و پیشگاہ خاطر را کہ بجنس و خاشاک غفلت انباشتہ شدہ وقت در دل دادہ ایں گلزار ہمیشہ بہار معانی را بآب دیدہ خون جگر شاداب باید داشت۔ دل آئینہ است نورانی و صور معانی در وجلوہ گر بصیقل تجرد از زیر رنگ حوادث تعلق باید برآورد تا منقش بنقوش سعادت دارین گردد۔ بیت:۔

بزیر رنگ تعلق سیاہ نتواں داشت
کہ دل چو آئینہ ز آفتاب نور اینست

اس دنیا میں آئین اور قانون خداوندی کے ساتھ جینے یا زندگی بسر کرنے کے لئے علم کا پاس ہونا بیحد ضروری ہے یہ دنیا دکھاوے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے یہاں اگر آپ لاعلمی کی نظر سے دیکھیں تو آپ بے شمار رنگ نظر آئیں گے جو اتنے شوخ ہوں گے کہ اپنی اپنی طرف آپ کا دھیان کھینچنے کی کوشش کریں گے لیکن برعکس اس کے اگر آپ کو علم کی دولت ملی ہوئی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سارے رنگ بیکار ہیں صرف ایک ہی ہستی ہے باقی سب نیستی ہیں صرف خدائے واحد ہی کی کثرت نظر آتی ہے اور یہی علم وحدت الوجود اور وحدت فی الکثرت کا جلوہ نما ہے برہمن اس بارے میں رقم طراز ہے کہ:۔

''مشتاقان در پردہ تماشای صور معانی کنند و در حجاب بے حجابانہ دست در آغوش شاہد مقصود نمایند بیت:۔

کند ز پردہ تماشای کار خانہ چمن
اگر کسی بحجاب تو آشنا باشد

چوں قرب معانی در عالم یکرنگی و یگانگی منظور است بعد مسافت صوری حجاب ایں پیشگاہ سدراہ میگردد چہ جلوہ صورت نمودی بیش نیست وشاہد معنی بہ کسوت بقای جاودانی آراستہ حجاب اکسیر ہمیں ہستی موہوم است ونفی آں عین آگاہی ۔

بیت:۔

بعشق و حسن بود نسبتے کہ نتواں گفت
ہمیں حجاب بلا گشت درمیانہ ما

در دیوار ارباب محبت آئینہ دار است وصور وفا ونقوش اخلاص درآں پرتو انداز اول شرط رہروان ایں طریق گم کردن نقش ہستی خویش است تا نقش ہستی موہوم ہر جاست فساد نفس برپاست چوں ایں نقش محو شود آثار بقای مطلق بظہور آید ہمیں ماہ منی است کہ پردۂ غفلت بر چہرۂ دانش انداختہ ودیدہ بینش را بخاک ندامت انباشتہ یکی دست و پای ہمت بجنبش در آرو ودر ادر گرداب تحیر فرومگذار بر سر ایں معنی از راہ شورت وقوف نتواں یافت تا غیار تعلق از حواشی باطن محو نشود پی مطلب خاص نتواں رفت نا حجاب صورت برنخیزد چشم بر چہرۂ معانی نتواں دوخت ۔ اگر چہ صورت را با معنی رازہاست لیکن چوں اسرار معنی حاصل شود، توسط وتوسل صوری از میاں برخیزد وشاہد معنی جلوہ گر گردد وچشمی کہ نظارہ گر صورت معنی شود معنی صورت رادر باید ہرگز نگاہ بعالم صورت نکند نظارگیان حسن روز افزوں جمال مطلق بحسن زودزوال عالم فانی نفر بیندر ہروان وادی تحیر دست ہمت از کونین افشاندہ درگذشتہ اند دوبستگاں عالم صورت درمضیق حیرت فروماندہ ۔ بیت:۔

کرد از بحر خطر مرد سبکسار عبور
بر سر راہ فرو ماندہ گر انباری چند

علم اور عقل میں یکسانیت ہونی چاہئے عقل کو اتنی قوت ہونی چاہئے کہ وہ یہ سمجھ سکے کہ وقت کا تعین کس اعتبار سے کیا جائے جائے کیونکہ گزرا ہوا وقت واپس ہاتھ نہیں آتا اور چونکہ اس عمر گرامی کا کچھ پتہ نہیں کہ کب اسکی شام ڈھل جائے اسلئے جتنا زیادہ وقت صحیح کاموں میں صرف ہوجائے وہ بہتر ہے برہمن کا نظریہ ہے کہ:۔

''علم عقل دور اندیش آنست کہ پیوستہ نظر براصل کار وکیف درحال داشتہ خلاصہ اوقات را مصروف بہ تحصیل کسب کمال باید نمود عمر را عزیز داشتہ تضیع اوقات را وبال عظیم باید دانست ہر نعمتی کہ ہست در پاس مراتب وقت است ۔ بیت:۔

غفلت ز احتیاط نفس یک نفس مکن
شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

عقل دانا کے بارے میں ایک جگہ اور رقم طراز ہے:۔

''چوں دل دانا وچشم بینا وتن توانا وگوش شنوا نصیب شود ودر تماشای جلوہ صبح وپرتو شام مشاہدہ آفتاب ونظارہ ماہ سر

عجز و نیاز بخاک عبودیت و بندگی باید سود و خاک راہ ادب را تو تیای دیدہ اخلاص باید نمود۔''

برہمن کی علم شناسی اور علم دوستی کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کہتا ہے وہ لوگ جو حقیقت پر نظر رکھتے ہیں اچھے ہیں انسے جو حقیقت کو درگزر کرتے ہیں اس دنیا میں کچھ نہیں اور حق ہی حقیقت ہے مگر ایسا علم جو دنیاوی لگاؤ پیدا کرے اسمیں مزہ پیدا کرے بیکار ہے:۔

''خوشا رہروان طریق معنی کہ در عالم صورت را صفر محض دانستہ روی توجہ از قبول آں گردانیدہ دل را سوی مطلب آوردہ اند۔ مطلب طالب غیر از طلب مطلوب نیست چوں طلب خاص بہم رسد ہر آئینہ طالب بمطلوب رسد و چوں خودی و خود پرستی از میاں برخیزد طالب عین مطلوب گردد۔ مطالب جمیع طالباں را ہمیں است پس اللہ تعالیٰ رہروان وادی و پی سیران ایں طریق را بہ بدرقہ کرم عمیم خود بمنزل مقصود درساند۔''

برہمن عہد مغلیہ کی ایک ہمہ جہت شخصیت تھی جس کی تمام تصانیف عظمت آدم اور خدمت آدمیت کا درس دے رہی ہیں اتفاق، اتحاد، یکجہتی، صلح کل، سخاوت، وفا شعاری، خودداری، دلداری، اور انسان دوستی کے لئے اس کی تحریریں ایک صحیفہ کی حیثیت رکھتی ہیں جہاں وہدانت کا فلسفہ بھی ہے اپنشد کا پیغام بھی ہے گیتا کے اپدیش بھی ہیں اور اسلامی فلسفہ کا عکس بھی ہے، وہ دل آزاری سے گریزاں اور دل داری کے لئے کوشاں بھی تھا جغرافیہ کے علم تاریخ کے تقدس، صحیفہ کی حرمت، ریاضی کی مہارت، اور انشاءِ فن میں قادر کے ساتھ ساتھ تصوف کے رموز و نکات سے واقف بھی تھا، وحدت الوجود اور ہمہ اوست پر اسے کامل یقین تھا اور یہی اس کا ایمان تھا، جہاں آزادی کا مطلب عبادت اور خدمت خلق تھا، غرض کہ اس کی تمام تصانیف میں حکایت بالنفس، تازیانۂ آگاہی، دریافت اصل حقیقت، لذت ترک تعلق، استقامت بر توکل، بے ثباتی اساس روزگار، اور فکر آخرت اور قربت قدرت کا پیغام پوشیدہ وہ اس جہان فانی، کو جہان جاودانی کی کھیتی، تصور کرتا ہے اسلئے ایک پل بھی اس دنیا میں وہ بیکار نہیں رہنا چاہتا ہے، بلکہ ہر لمحہ کو وہ آخرت اور عاقبت پر قربان کر کے خود کو کامیابی و کامرانی سے قریب تر کرنا چاہتا ہے، اسلئے اس نے اپنے آپ کو تمام علوم وفنون سے سے آراستہ بھی کیا اور زیست کے میدان کارزار میں ہر ایک کا بھرپور استعمال کر کے آدمیت کو انسانیت کا پیغام دیتا رہا اسکی تصانیف علم کا خزانہ بھی ہیں اور اصلاح وفلاح کا زینہ بھی جہاں نہ علاقائیت نہ عصبیت بلکہ صرف اور صرف درس بلندگی اور پیغام پاکیزگی ہے، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ چہار چمن ایک عبرت کا پیغام بھی ہے۔

☆☆☆

صالحہ رشید (ڈاکٹر)
صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

نمایندۂ نسوان ایرانی: سیمین بہبہانی

۱۹ اگست ۲۰۱۴ بروز سہ شنبہ ایران کی ادبی فضا پر غم کے بادل چھا گئے۔ ہر آنکھ نم و ہر زبان گنگ ہوگئی۔ ادباء اور فضلاء پر سکتہ طاری ہوگیا۔ مظلوم و بے سہارا بے یار و بے مددگار ہو گئے۔ عورتیں اپنے وجود کو قدرے کمزور سمجھنے لگیں، کیونکہ ۔۔۔ وہ جس نے عشق و محبت کے گیت برسہا برس گائے، عورتوں کے لطیف جزبات کی کھل کر ترجمانی کی، نسوانی رجحانات و میلانات کی وکالت کی، عورتوں کے حقوق کی علمبردار، اپنے ہموطنوں کی مشکلات و دشواری کی صدا، جس نے ظلم و استبداد کے خلاف آواز اٹھائی، مشکل راہوں پر بے خوف و خطر چل پڑی، وہ جس نے ثابت کر دیا کہ فارسی پیار و محبت اور انسانیت کی زبان ہے، ایسی شیریں زبان میں چہچہانے والا بلبل اپنے قفس عنصری سے پرواز کر گیا یعنی ایران ن کی بزرگ شاعرہ سیمین بہبہانی اس جہان فانی سے دار بقا کی جانب رخصت ہوگئیں۔ ۶ اگست کو انھیں کوما کی حالت میں تہران کے پارس ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ اسی حالت میں انھوں نے وہاں آخری سانس لی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۷ برس تھی۔ ہسپتال سے انھیں وحدت ہال لایا گیا اور ۲۲ اگست کو یہیں سے ان کی تدفین بہشت زہرا میں کر دی گئی۔ آپ کے جنازے میں ایک جم غفیر نے شرکت کی۔

سیمین بہبہانی کا اصل نام سیمین خلیلی ہے۔ آپ کے والد کا نام عباس خلیلی تھا۔ وہ شاعر اور ادیب ہونے کے ساتھ روزنامہ 'اقدام' کے مدیر بھی تھے۔ آپکی والدہ کا نام فخر عظمٰی ارغون تھا۔ وہ شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان کی استاد بھی تھیں۔ آپ کے والد عباس خلیلی (۱۸۹۳ تا ۱۹۷۱) فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے شاہنامۂ فردوسی کے ۱۱۰۰ اشعار فارسی سے عربی میں ترجمہ کئے تھے۔ سیمین کی والدہ فخر عظمٰی ارغون (۱۸۹۸ تا ۱۹۶۶) فکری اعتبار سے ترقی پسند تھیں۔ وہ کانون نسوان وطن خواہ (اسوسیئشن آف پیٹریاٹک ویمن) کی ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۲۹ء تک ممبر ہونے کے ساتھ حزب دموکرات کی بھی عضو خاص رہیں۔ ۱۹۳۲ء میں وہ 'آیندۂ ایران' نامی اخبار کی مدیر بھی رہیں۔ وہ تہران کے دارالمعلمات، ناموس اور نوباوگان ثانوی اسکولوں میں فرانسیسی زبان کی استاد تھیں۔ سیمین انھیں با شعور، علم دوست اور علم پرور والدین کی بیٹی ہیں جو ۲۰ جون ۱۹۲۷ء کو تہران میں تولد ہوئیں۔ ۱۹۴۶ء میں ۱۹ برس کی عمر میں آپ کا عقد حسان بہبہانی سے ہوا اور اس نسبت سے آپ سیمین خلیلی سے سیمین بہبہانی ہوگئیں۔ حسان بہبہانی سے تین بچے

تولد ہوئے ۔علی بہبہانی اور حسین بہبہانی دو بیٹے جو تہران میں ہیں اور ایک بیٹی امید بہبہانی' کینبرا آسٹریلیا میں ہیں ۔ ۱۹۷۰ء میں سیمین کی حسان بہبہانی سے طلاق ہوگئی۔ ۱۹۷۱ء میں انھوں نے منوچہر کوشیار سے دوسری شادی کر لی۔ یہ ازدواجی رشتہ ۱۴ سال قایم رہا اور ۱۹۸۴ء میں منوچہر کوشیار کی وفات ہوگئی۔منوچہر کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔اس وقت سیمین کے ۶ عدد پوتی پوتے اور ۳ عدد پر پوتے ہیں۔

سیمین نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تہران یونیورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں قانون کی تعلیم حاصل کی ۔چونکہ انھوں نے ایک ایسے خانوادہ میں آنکھ کھولی جہاں شعروادب کا ہر دم تذکرہ ہوتا تھا،لہٰذا سیمین کے اندر ادبی ذوق ہونا لازمی تھا۔اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی آپ نے اپنے ادبی جوہر دکھانے شروع کر دئے۔۱۲ برس کی عمر سے شعر گوئی کا آغاز کر دیا۔۱۴ برس کی عمر میں آپ کی پہلی نظم ملک الشعراء بہار کی مدیریت میں شائع ہونے والے روزنامہ نو بہار میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے قانون کو پیشہ کے طور پر نہیں اختیار کیا بلکہ درس وتدریس کو فوقیت دی ۔خود کو فارسی زبان وادب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔وہ تاحیات معلّمی کے پیشہ سے منسلک رہیں۔

سیمین کا ادبی سفر تقریباً ۷۰ برس پر محیط ہے جسے دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا جانا چاہئے۔انقلاب اسلامی سے قبل اور انقلاب اسلامی کے بعد۔ان کے اشعار کے ۱۹ مجموعے شائع ہوئے جن میں سے چند اس طرح ہیں ۔ جای پا ۱۹۵۴ء ،چلچراغ ۱۹۵۵ء ،مرمر ۱۹۶۱ء ،رستاخیز ۱۹۷۱ء ،وغیرہ انقلاب اسلامی سے قبل کی تخلیقات ہیں۔سیمین نے ۶۰ اور ۷۰ کی دہائی میں ریڈیو اور ٹیلی وژن کے لئے تقریباً تین سو نغمے لکھے جنھیں اس وقت کے مشہور گلوکاروں نے اپنے فن سے نوازا۔

انقلاب اسلامی کے بعد شائع ہونے والے مجموعوں میں ''خطی زسرعت وآتش'' ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آیا۔یہ گذشتہ مجموعوں سے قدرے فرق ہے۔اس پر انقلاب اسلامی کے اثرات صاف نمایاں ہیں۔اس کے علاوہ 'دشت ارژن ۱۹۸۳ء ' کاغذین جامہ ۱۹۹۲ء ' یک دریچۂ آزادی ۱۹۹۵ء ' اور شاید کہ مسیحا ست ۲۰۰۳ء میں تہران سے چھپے۔'شاید کہ مسیحاست' کی کچھ نظموں کا اسمٰعیل سلامی نے انگریزی ترجمہ کیا۔اسی طرح کاوہ صفا اور فرزانہ میلانی نے بھی ان کی چند مشہور نظموں کا ترجمہ انگریزی میں (اے کپ آف سن) کے نام سے کیا۔آپ کانون نویسندگان ایران کی صدر رہ چکیں اور تاحیات اس سے جڑی رہیں۔ایرانی عوام نے انھیں ایران کی شیرنی کا خطاب دیا کیونکہ حکومت کے سامنے وہ عوام کے مطالبات انتہائی سخت الفاظ اور تیور میں پیش کرتیں۔وہ موجودہ فارسی ادب کی مثال بنیں اور انھیں ایران کی قومی شاعرہ کا درجہ دیا گیا۔وہ نہ فقط دو مرتبہ نوبل ادبی انعامات کے لئے نامزدگی کی صف میں شامل کی گئیں بلکہ دنیا کے دیگر مخصوص اعزازات سے بھی نوازی گئیں جن میں سے چند اس طرح ہیں۔

1998....Human Rights Watch Hellman_Hammet Grant

1999....Carl Von Ossietzky Medal

2006....Norwegian Author's Union Freedom Of Expression Prize

2009....Simone de Beauvoir Award For Women's Freedom

2009....MTV-U Poet Laureate

2013....Janus Pannonius Prize

۲۰ مارچ ۲۰۱۱ء کو بارک اوبامہ نے جشن نوروز کے موقعہ پر ایرانیوں کو مبارک باد دیتے ہوئے اپنے خطاب میں سیمین بہبہانی کا حوالہ دیا۔

" Old I may be , but given the chance ,I will learn ".

سیمین کو الفاظ کی قوت کا اندازہ تھا۔ انھوں نے الفاظ کے ذریعے ایران کی ایک مختلف تاریخ رقم کر دی۔ ان کی انگریزی مترجم اور ایرانی تاریخ و ایرانی معاشرت پر مستقل اپنے خیالات کا اظہار کرنے والی ورجینیا یونیورسٹی کی پروفیسر فرزانہ میلانی کے مطبق گذشتہ تیس برسوں کی ایرانی تاریخ سیمین کے اشعار کے ذریعہ بہتر طریقے سے سمجھی جا سکتی ہے۔ سیمین کا تعلق کسی مخصوص سیاسی پارٹی یا مکتبۂ فکر سے نہیں تھا۔ انھیں تو فقط اپنے ملک سے پیار تھا۔ وہ اپنے ملک کی صاف ستھری اور انصاف پسند تصویر دیکھنے کی خواہاں تھیں۔ انھوں نے اپنے وطن کی قدیم تہذیب وتمدن کا غائر مطالعہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ قدیم ایران میں رائج ہجائی اشعار پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

سیمین نے جلتا سلگتا ایران دیکھا۔ وہ مغرب سے متاثر شاہ کا زمانہ رہا ہو یا آیت اللہ کا انقلاب اسلامی۔ وہ ان تمام ادوار میں نمایاں رہیں۔ انھوں نے اپنے شعور کی آواز کو انتہائی فصیح انداز میں پیش کیا۔ انقلاب اسلامی کے بعد آپ نے ملک کے مسائل اور عورتوں کے حقوق پر سخت الفاظ میں آواز اٹھائی۔ ان کی شاعری ان کی زندگی کے محسوسات ہیں۔ انھوں نے ایران میں وہ لمحے جئے جب آسمان میزائل سے نکلتے دھوئیں سے تاریک ہو گیا اور زمین پلک جھپکتے کھنڈر میں تبدیل ہوگئی۔ شہیدوں سے بھری لاریاں قبرستان جاتے دیکھیں تو پھانسی دئے گئے قیدیوں کے جسم سے رستا خون دیکھا۔ مائیں اپنے بیٹوں کی لاش کے پیچھے برہنہ سر ونگے پاؤں بھاگتی دیکھیں۔ کھانے پینے کی ادنیٰ سی چیز خریدنے کی خاطر، بارش ہو یا دھوپ عورتیں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑی رہیں۔ عورتوں کی جذباتی پامالی پر ان کا دل بھر آیا اور انھوں نے قوم کی از سر نو تعمیر کی قسم کھائی۔ انقلاب اسلامی کے بعد کافی شعراء اور ادباء ایران سے ہجرت کر گئے لیکن آپ ایرانی عوام کے ساتھ ان کی آواز بن کر اپنے ملک میں ہی رہیں۔ ایک اخبار کے نمایندہ کے سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ اپنے ملک میں

ہی جینا اور یہیں مرنا چاہتی ہیں۔ کانون نویسندگان ایران کو ایرانی حکومت نے ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا۔ آپ تاحیات اس سے جڑی رہیں۔ ۱۹۹۰ء میں خفیہ طریقہ سے اس کے کافی ممبروں کا قتل بھی ہو گیا۔ اس سے سیمین کی روح مجروح ہوئی پھر بھی آپ نے وطن سے ہجرت گوارا نہ کی۔ آپ کو جس قدر عوام کا پیار حاصل ہوا اس سے کہیں زیادہ حکومت کا عتاب نازل ہوا کیونکہ آپ نے ہمیشہ حکومت کی غلط پالیسیوں کی نکتہ چینی کی۔ بی۔ بی۔ سی۔ نامہ نگار گل نوش گلشانی کے مطابق یوں تو آپ کی شاعری عشق کی واردات اور نسوانی مسائل کے گرد گھومتی ہے لیکن اس میں گوناگون سماجی مسائل پنہاں ہیں۔ آپ نے خاص طور سے طوائفوں کے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔

سیمین اس ایک ملین دستخط تحریک کی سربراہ رہیں جس کا مطالبہ تھا حکومت عورتوں کے ساتھ غیر برابری کا سلوک بند کرے اور عورتوں سے متعلق اپنے قانون کو بین الاقوامی حقوق انسانی قانون کے مساوی وضع کرے۔ ۲۰۰۹ء میں جب صدر انتخاب کے بعد ایران میں تشدد برپا ہو گیا تو سیمین کی ایک نظم بہت مقبول ہوئی اور وہ احتجاجیوں کی آواز بن گئی۔ تہران کی علامہ یونیورسٹی کے پروفیسر سعید حمیدیان کے مطابق سیمین کے کلام میں کلاسیکل زور تو ہے پر زبان آسان ہے ساتھ ہی ان کی نگاہ ایرانی معاشرہ اور سیاست پر بھی ہے جو دیگر عورتوں کے کلام میں نظر نہیں آتی۔ حالیہ دنوں میں وہ کوئی مجموعہ شائع نہ کر سکیں۔ ایک مجموعہ شائع بھی ہوا تو سنسر کی وجہ سے چالیس نظمیں اس میں سے نکالنی پڑیں۔ ۲۰۰۷ء میں حکومت نے ایک میگزین کی اشاعت پر پابندی لگا دی تھی کیونکہ اس میں سیمین کی ایک ایران عراق جنگ سے متعلق نظم چھپی تھی اور انھوں نے جنگ شروع کرنے والوں پر سوال اٹھائے تھے۔ ۱۹۹۰ء کا واقعہ ہے کہ وہ ایک جرمن ڈپلومیٹ سے ملاقات کرنے جا رہی تھیں کہ انھیں روکا گیا اور بجلی کے جھٹکے بھی دیے گئے۔ اسی طرح ۲۰۱۰ء میں جب آپ بین الاقوامی یوم زنان (انٹرنیشنل ویمنس ڈے) میں شرکت کی خاطر پیرس تشریف لے جا رہی تھیں اور ابھی طیارے میں داخل ہی ہونا چاہتی تھیں کہ اعلان ہوا کہ ان کا پاسپورٹ ضبط کیا جاتا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ برس تھی اور وہ کم وبیش نابینا تھیں۔ آخری دنوں میں انکی تخلیق کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ انھوں نے اپنے اشعار سے لوگوں کے دلوں میں امید جگانے کا کام لیا اور انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش ہی ان کا منشاء رہی۔ ان کے کلام میں رجائیت کا عنصر پایا جاتا ہے جو قنوطیت پر غالب ہے۔ انھوں نے وہی لکھا جو محسوس کیا۔ ایرانی معاشرہ اور ایران کے حقیقی حالات ہمیشہ انھیں اپنی طرف کھینچتے رہے۔ انقلاب سے قبل ان کے شعر مفلسی، بدحالی، یتیمی، بدعنوانی اور پس ماندہ طبقہ کی تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں پر انقلاب اسلامی کے بعد انھوں نے اپنی فکر 'خیال کی آزادی' اقلیتوں پر ڈھائے جا رہے مظالم' قیدیوں کے ساتھ ہونے والی بربریت' جمہوریت' انسانی حقوق' ملک کے تہذیب وتمدن کے تحفظ پر مرکوز کر دی۔ ان کے شعر ہئیت کے اعتبار سے کلاسیکل ضرور ہیں پر ان میں ترقی پسند خیالات پروئے ہوئے ہیں۔ ان کا نظریۂ انقلاب کہتا ہے کہ بدلاؤ ہمیشہ صحیح سمت ہونا چاہئے۔

سیمین نے اپنا قلم بیچا نہیں۔ایرانی سیاست پر ان کے قلم کا وار ہمیشہ جاری رہا۔انھیں پھانسی' مقدمے اور عام ایرانیوں کے منظر سے غائب ہونے پر بڑی تشویش تھی۔انھوں نے آیت اللہ کے فرمانوں کے خلاف موقف اختیار کیا اور خیالات کے اظہار کی آزادی کا مطالبہ کیا۔انقلاب اسلامی کے دس برس بعد تک نہ صرف ان کا کلام شائع ہونے پر پابندی رہی بلکہ سرکاری اخبار اور میگزین مستقل ان کے خلاف آگ اگلتے رہے۔

نوبل امن انعام یافتہ شیرین عبادی نے سیمین کو اپنا ہم عقیدہ قرار دیا اور اپنی تصنیف 'ایران از اویکننگ' کا محرک جو انھوں نے ایرانی عورتوں کے حقوق پر قلمبند کی ہے۔

سیمین جدید شاعرہ ہیں۔ان کا شیوۂ بیان جدید ہے لیکن کلاسیکی ادب کی وہ دلدادہ ہیں۔وہ روایت پرست نہیں ہیں پر قدیم شاعری ان کا دامن کھینچ لیتی ہے۔فارسی ناقدین کے درمیان وہ فن شاعری پر عبور رکھتی ہیں اور ہیئت کے اعتبار سے شعر کو نیا قالب عطا کرنے کے لئے جانی جاتی ہیں۔اب تک عام طور پر غزل میں مرد اپنے عشق کا اظہار عورت سے کرتا رہا لیکن سیمین نے عورت کی زبانی مرد سے اظہار عشق کروایا۔اس طرح صدیوں پرانی روایت ٹوٹ گئی۔اس دوران وہ کہیں کہیں بے باک بھی ہو جاتی ہیں اور یہاں پر ان کے انگریزی ترجمے میں شامل نظم 'اولڈ ایو' کا ذکر مناسب ہے جس میں ۸۰ برس کی عورت کا کرشمہ دیکھئے۔

Adam leave behind objections and denial

Come ! take a look

The eve of eighty

Rivals girls of twenty.

سیمین کے اشعار کلاسیکل اور رائج طرز سے فرق فارسی نثری طرز کے بھی ہیں۔انھوں نے خود اپنے قول کے مطابق نیما یوشیج کی نظم افسانہ کو پیش نظر رکھ کر اپنے بعض تجربوں کو شاعرانہ قالب عطا کیا۔اس انداز کے آپ نے کافی اشعار کہے جس روش پر جدید شاعروں نے بھی چلنا شروع کر دیا۔ایک ایرانی مفکر رویا حکا کیان کے مطابق ۷۰ کی دہائی میں احمد شاملو اور فروغ فرخزاد کا ادب کی دنیا میں بول بالا رہا پر انقلاب جب لوگوں کو سچی آزادی دینے میں ناکام رہا تو لوگوں نے جدید نظم کا بھی ساتھ چھوڑ دیا پر سیمین شروع سے ہی اپنے کلاسیکی فارم پر ڈٹی رہیں اور اسی بنا پر ۳۰ سال بعد ان کا قد اتنا بلند ہو گیا کہ وہ قوم کی آواز بن گئیں۔سیمین کے نزدیک شعر انسان کے انتہائی درونی اور عمیق احساسات کی تراوش کا نام ہے۔ان کے شعر واضح تخیل' جذبے کی صداقت' اخلاص اور سہل ممتنع سے مزین ہیں۔نظمیں معنویت سے پر ہونے کے ساتھ سادہ اور عام فہم ہیں۔اس سے ان کی افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔سیمین نے غیر مقفیٰ اور آزاد نظمیں بھی کہی ہیں۔ان میں

پند وحکمت کی آمیزش ہے اور ساتھ ہی ان کے عہد کے اجتماعی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ان کے افکار وخیالات کی تازگی کے باعث مضامین میں ندرت پیدا ہوگئی ہے۔وہ زبان اور بیان پر دسترس رکھتی ہیں جس کی بدولت وہ اہل ذوق کی نگاہ میں پسندیدہ اور مقبول ہیں۔غزلوں میں بھی انھوں نے شاعرانہ مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے۔غزل کہتے وقت وہ عروض کی سخت پابندی کرتی ہیں۔یہاں جدت کے نام پر وہ اس طرح کی شاعری سے اجتناب کرتی ہیں جس میں وزن اور قافیہ کی قید نہ ہو۔صوری اور معنوی خوبیوں کی حامل ان نظموں کے چند موضوع تو ایسے ہیں جو ہر حساس دل کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ایک عورت کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا جاتا ہے۔ایک طوائف اپنے غم زدہ چہرے کو چھپانے کی خاطر غازہ لگاتی ہے۔ایک بچہ پستہ چرا کر کھالیتا ہے کیونکہ اس کی ماں اسے خرید کر نہیں دے سکتی۔ایک ماں جس کا بیٹا ایران عراق جنگ میں ۱۹۸۰ء میں شہید ہو جاتا ہے وہ بیٹے کے دونوں جوتوں کے تسمے باندھ کر گلے میں ہار ڈال کر پھرتی ہے۔ایسے ہی اور نہ جانے کتنے لطیف جذبات کی ترجمانی کرتی نمایندۂ نسوان ایرانی یعنی سیمین بہبہانی کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں ؎

☆ از چہ چشمم ازنگاہ او گریخت　　اشتیاق دیدہ را نادیدہ کرد
از چہ دل در پاسخ سرمستیش　　سرگرانی کرد و ناسنجیدہ کرد

☆ ہیچ باور می کنید ای دوستان　　کاین منم ' این شاخۂ بی بر منم
این منم ' این باغ بی روح خزان　　این منم ' این شام بی اختر منم

☆ این گدایان بتمنای جوی سیم تنم　　چون چنار از سرخواہش ہمہ دستند و تو نہ

☆ ز بس بدامن شب اشک انتظارم ریخت　　گل سپیدہ شگفت و سحر دمید' بیا
برگ ریزان دلم را نو بہاری آرزوست　　شاخۂ خشک تنم را برگ و باری آرزوست

☆ بدہ آن جام کہ سرمست شوم　　بہ سیہ بختی خود خندہ زنم
روی این چہرۂ ناشاد غمین　　چہرہ ی شاد و فریبندہ زنم (روسی)

☆ ہر آہ کہ در حسرتش از سینہ بر آمد　　زندانی غم بود و ز زندان تنم رست

☆ داغ ننگی بر جبین روشن سیمین بزن　　زانکہ اورا از تو عمری یادگاری آرزوست

☆ او بوسہ می بخشد مرا من جان نثارش میکنم　　سودای پر سود است این بگذار مغبونش کنم

☆ سالہا پیش ازین بمن گفتی　　کہ 'مرا ہیچ دوست میداری؟
گونہ ام گرم شد ز سرخی شرم　　شاد و سرمست گفتمت 'آری'

☆ مرا امشب ای زن دمی ہمزبان شو　　کہ تا قصۂ درد خود باز گویم

تورا گویم آن غم که با کس نگفتم — که گر راز گویم به همراز گویم
☆ تورا دانم ای زن گر افتد گزندی — پناہی نداری مگر باز دانم
☆ دریغا از این ماجرا شرمگینم — که خود بی پناہم 'که خود ناتوانم
☆ 'رئیس ' است اوٗ کارمند اویم من — غلط رفت ' من بندهٔ پست اویم
که غیر از خطایش صوابی نبینم — که غیر از رضایش رضائی نجویم
☆ من چون شراب ناب بمینای زر نگار — مستی ده و لطیف و فرح بخش و خوشگوار
رنگم برنگ لالۂ خودروی دشتہا — بویم چو بوی وحشی گلہای کوہسا
☆ ہر چند کام تشنۂ من نا چشیده بود — زین خوب تر شراب گوارای دیگری
زان پیشتر که رنج خمارم فرا ر رسید — باید شراب دیگر و مینای دیگری
☆ 'اوست که شادی به جمع داده ہمه عمر — لیک دلش شادمان دمی نتپیده
اوست که عمری چشانده بادهٔ لذت — خودٗ ولی۔افسوس۔جرعۂ نچشیدہٗ (رقاصه)
☆ یادہا دارم از گذشتۂ خویش — یادہائی که قلب سرد مرا
کرده ویرانه ئی ز کینه و خشم — که نہان کرده داغ و درد مرا
☆ کیست؟ بگوئید!از شماچه کسی ہست — تا ز خراباتیان مرا برہاند؟
زندگیم را ز نو دہد سرو سامان ؟ — دست مرا گیر د و به راه کشاند ؟'

☆☆☆

شمسہ عارف (ڈاکٹر)
شعبہ فارسی، برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال

نواب شاہجہاں بیگم بحیثیت شاعرہ: دیوانِ شیریں کی روشنی میں

دلچسپ شعر ہوتے ہیں کیا ہے بفضلِ رب
شیریںؔ تو شعر گوئی میں استاد ہے بہت

''شاہجہاں ثانی'' نواب شاہجہاں بیگم کے عہد کو نہ صرف یہ کہ ان کی بے مثل تعمیرات بلکہ باعتبارِ علم وادب بھوپال کے عہدِ زریں سے ہم تعبیر کر سکتے ہیں۔ شاہجہاں بیگم کی شاعری کا جائزہ لینے سے پہلے اس دور کی علمی وادبی ترقی کے اسباب اور ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا بھی امر ضروری ہے۔

ذوقِ شاعری شاہجہاں بیگم کو ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے والد نواب جہانگیر محمد خاں صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کی دلچسپی کی بدولت بھوپال میں شاعری کا چرچا عام ہوا، مشاعرے کثرت سے ہونے لگے اور شاعری دربار رسائی کا ذریعہ بن گئی۔ سلطان جہاں بیگم حیاتِ شاہجہانی میں اپنی والدہ کی شعروشاعری سے رغبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

''چوں کہ نواب جہانگیر محمد خاں صاحب بہادر مرحوم کا مذاقِ سخن بہت اچھا تھا، شعروشاعری میں دلچسپی رکھتے تھے اور خوبھی شعر کہتے تھے اس لیے سرکارِ عالیہ کی طبعیت میں شاعری سے بھی خاص مناسبت تھی۔ ابتداً کچھ یوں ہی سا شوق ہوا پھر رفتہ رفتہ بڑھ گیا پہلے شیریںؔ تخلّص تھا پھر تاجورؔ ہوا۔[۱]

علاوہ ازیں نواب صدیق حسن خاں سے عقدِ ثانی کر کے انہوں نے علم وادب کی گرانقدر خدمت انجام دی۔ نواب صاحب عربی، فارسی کے زبردست عالم و فاضل اور اپنے زمانے کے مشہور محدّث اور مفسّر ہونے کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ سو ضخیم کتابوں کے مصنف تھے، اگر چھوٹے، چھوٹے رسالوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی ہے۔ بھوپال میں علم کا چراغ جس ذات کی وجہ سے روشن تھا اور جس کی روشنی ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کو منوّر کر رہی تھی وہ نواب صدیق حسن خاں کی ذاتِ بابرکت تھی۔

عہدِ شاہجہانی میں سرکاری مَطابع ہونے کی وجہ سے طباعت کی سہولتیں بھی بہت زیادہ میسر ہوگئی تھیں۔ علم و ادب کے فروغ پانے کی بنیادی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے سیاسی وتمدنی نتائج کے اثرات بھی تھے جنہوں نے بھوپال کو دارالامان بنا کر فنکارانِ علم وادب کو پناہ دینے کا کام اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ ان سب عوامل کے نتیجے

میں بھوپال علماء وفضلاء کا اہم مرکز بن گیا تھا۔ بقول مولانا اسلم جیراجپوری:

''اس وقت بھوپال اپنے علمی وادبی کارناموں کے لحاظ سے ''بغداد الہند'' کی حیثیت رکھتا تھا''۲

نواب صدیق حسن خاں کی بدولت شعراء علماء فضلا کی کثیر تعداد میں لکھنؤ سے بھوپال آمد ہوئی اس وجہ سے اس دور کے ادبی رجحانات اور زبان کے معیار میں تبدیلی پیدا ہونا عام بات تھی۔ شعروشاعری میں دہلویت کے بجائے لکھنویت کا رنگ عام ہوگیا تھا۔ تاثیر، خلوص، جوش اور سادگی کے بجائے رعایت لفظی، مبالغہ آرائی، خیال آفرینی، قافیہ پیمائی اور رسمی شاعری کی طرف شاعر مائل ہونے لگے۔ اس دور کی شاعری انہیں رجحانات کی عکاسی کرتی ہے جو اس وقت عام طور پر پورے ہندوستان کی اردو شاعری میں رائج تھے۔ یہ ۱۸۵۷ء کے آس پاس کا وہ عہد ہے جہاں داغؔ اور امیر مینائی کی شاعری بامِ عروج پر تھی بھوپال میں بھی امیر مینائی کے بہت سے شاگرد صاف ستھری زبان میں کلام کہہ رہے تھے۔ لکھنوی رنگ کے عام ہونے کے باوجود لکھنوی ابتذال اور عریانیت سے ان کی شاعری پاک تھی۔

سرزمین بھوپال جس کو دارالکمال کہا جاتا رہا ہے اس میں خواتین کے شعری رجحانات کا ذکر کہیں نہیں ملتا، یہاں تک کہ خود بھوپال کے اہلِ قلم حضرات نے جو تذکرے ترتیب دیئے ہیں ان میں شاعرات کا کہیں ذکر نہیں ہے حالانکہ بھوپال میں متعدد صاحبِ دیوان شاعرات گزری ہیں۔ تذکرہ ''ماہِ درخشاں'' جو شاعراتِ اردو کا تذکرہ ہے اور ''تذکرہ اخترِ تاباں'' فارسی گو شاعرات کا یہ تذکرہ ۱۳۰۰ھ میں مرتب ہوا، افسوس کہ یہ تذکرہ بھی تمام شاعرات کے ذکر کا احاطہ نہیں کرسکا۔ البتہ سکندر بیگم ضیاء اور شاہجہاں بیگم کا تذکرہ اس میں ہمیں ملتا ہے۔ شمعِ انجمن، نگارستانِ سخن، صبح گلشن اور روزِ روشن تذکروں میں بھی شاعرہ شاہجہاں بیگم کا ذکر موجود ہے حالانکہ ''بزمِ سخن'' اور ''طورِ کلیم'' ایک ہی سال یعنی ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئے تھے لیکن ''طورِ کلیم'' پہلا ایسا تذکرہ ہے جس میں شاہجہاں بیگم کا ذکر نہیں البتہ ''بزمِ سخن'' میں صابر حسین صبا ایک خاتون حکمراں شاعرہ کو یوں دادِ تحسین دیتے نظر آتے ہیں:

''ابتداء میں ریختہ میں لکھتی تھیں، ایک دیوان ترتیب دے لیا۔ حکومت کی ذمہ داریاں اور سیاسی مصروفیات کے کسی دوسرے شخص کجا کہ عورت کو شعروسخن کے تنگنائے میں اتنی شائستگی سے مصروفِ سخن نہ دیکھا ہوگا''۳

عہدِ شاہجہانی میں خواتین کے لیے شعروشاعری شجرِ ممنوعہ جیسی چیز تھی۔ غزل روایتی انداز اور روایتی موضوعات کی سرحدوں سے باہر نہ جاسکتی تھی۔ شاعری کا سارا کمال اور لطف شاعرانہ غزل گوئی میں سمجھا جاتا تھا۔ خواتین نے بھی جب دادِ سخن دینے کا بیڑا اٹھایا تو کسی نہ کسی ماہرِ فن کو اپنا استاد تسلیم کیا۔ چنانچہ وہ شاہجہاں بیگم ہوں یا اس عہد کی دیگر

شاعرات سب کو اساتذہ سے تلمذ تھا۔نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی صاحبزادیاں منور جہاں بیگم مسرتؔ اور مشرف جہاں بیگم ثروتؔ دونوں صاحبِ دیوان شاعرہ بھی تھیں ان کا دیوان مطبوعہ ہے اور کلام پختہ وسلیس ، یہ دونوں امیرؔ مینائی کی شاگردہ تھیں۔

نواب شاہجہاں بیگم خوش ذوق اور صاحبِ دیوان شاعرہ تھیں فارسی میں انکا تخلص شاہجہاںؔ تھا اور اردو میں پہلے شیریںؔ تخلص فرماتی تھیں پھر تاجورؔ مقرر کیا اور ہندی میں روپؔ رتن اختیار کیا۔آپ نے ٹھیٹھ ہندزبان میں بھی شاعری کی ہے لیکن رسم الخط اردو اختیار کیا ہے۔شاہجہاں بیگم ان خوش نصیب شاعرات میں سے ہیں جن کا اردو و فارسی کلام آج بھی دستیاب ہے۔ان کے دو مطبوعہ دیوان پہلا ''دیوانِ شیریں'' اور دوسرا ''تاج الکلام'' کے نام سے موسوم ہے ان کے علاوہ کئی ہزار اشعار کی مثنوی ''صدق البیان'' ہے یہ مثنوی بھی پاکیزگی، حقیقت نگاری، منظر نگاری اور فنکاری میں بے مثل ہے۔نواب شاہجہاں بیگم کی شاعرانہ سرپرستی کے بارے میں میر منشی مولانا شہری رقمطراز ہیں:

> ''حضورِ ممدوحہ کی بدولت نہ صرف بھوپال میں شعروشاعری کا چرچا عام ہوا۔ بلکہ محلِ خاص پر اکثر مشاعرہ کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں، جن کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں شرفاء کی بیویاں شریک ہوا کرتی تھیں، ان میں بعض خواتین اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھیں۔ بھوپال کی عورتوں میں شعروشاعری کے ذوق کی اشاعت بھی حضورِ ممدوحہ کی بدولت عام ہوئی''[۴]

''دیوانِ شیریں'' باہتمام کوشش قادر محمد عبدالرحمٰن شاکر مطبع نظامی واقع کانپور دلکش نقش ونگار کے ساتھ ۱۲۸۸ ہجری میں طبع ہوا اس کے صفحات کی تعداد ۱۹۰ء ہے۔شاہجہاں بیگم کے دیوان میں کم وبیش ۲۰۰ اردو غزلیں اور ۲۰ غزلیں ''ملہار ہای ہندی زبان'' کے عنوان سے جو کہ اردو رسم الخط میں ہیں ہمیں ملتی ہیں۔''دیوان شیریں'' کی ابتداء انہوں نے حمدِ خدا اور نعتِ پیغمبر سے کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

خالقِ ہے خدا سحر و شام ہمارا
مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا
پیدا ہوئے ہم امّتِ محبوبِ خدا میں
بر تر ہو کیوں رتبۂ اسلام ہمارا

ان کی زبان نہایت صاف اور سادہ ہے اشعار تشریح طلب نہیں ہیں مثلاً:

آدمی کو خاک سے پیدا کیا
دیکھئے ادنیٰ کو کیا اعلیٰ کیا

کیا کہوں الفت نے مجھ سے کیا کیا
دل کو شعلہ آگ کو دریا کیا

یہ سہل ممتنع ہے۔ بہت نپے تلے، رواں دواں الفاظ اور معانی اعلیٰ ہیں۔ بے ثباتی دنیا کے موضوع کو بھی انتہائی سادگی سے باندھا ہے:

مائل نہ ہو جہاں کے نقش و نگار پر
قائم یہ بیوفا نہیں اپنے قرار پر

شاہجہاں بیگم کی زبان کی سادگی لطف دے جاتی ہے لیکن غزلوں میں ابتزال نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ شاعرانہ رنگِ سخن، زبردست آورد کے زیر اثر ہے اس میں بے ساختگی اور آمد نہیں ہے اس کے باوجود روایتی موضوعات کو نبھانے کی حتیٰ الامکان کوشش کی ہے۔ اخلاقی موضوعات میں بالخصوص بعض اعلیٰ درجہ کے اشعار انتہائی دلپذیر انداز میں نظم کئے ہیں مثلاً:

نکر اندیشۂ روزی خدارا
کھلیں دس در اگر ہو ایک در بند
ہنر تب تیرے ہونگے آشکارا
زبانِ عیب جوئی ہو اگر بند

دیوانِ شیریں میں اخلاقی اشعار اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں:

رہتی ہے ہر شخص کو دنیا کی حشمت کی تلاش
نیک وہ ہے جس کو ہے عقبیٰ کی دولت کی تلاش
آسمان سے ہے مقرر رزق ہر مخلوق کا
پھر عبث رُوئے زمین پر ہے معیشت کی تلاش
ہاتھ خالی قبر میں جاتا غنی اور فقیر
ہیں برابر دونوں پھر بیجا ہے ثروت کی تلاش

شاہجہاں بیگم نے اپنے کلام میں خطاب کا انداز عام غزل گو شاعروں جیسا ہی اختیار کیا ہے اس میں شاعرہ اپنے لئے بھی صیغۂ مذکر استعمال کرتی ہیں ان کے دیوان کے چند اشعار اس لب ولہجہ کے پیشِ خدمت ہیں:

حزن و ملال یاس کا لشکر ہے برپا اک طرف

ہے اک طرف ساراجہاں میں خستہ تنہااک طرف
محفل میں غیرو آشنا سب پاس بیٹھے اوسکے جا
عیش و خوشی تھے قہقہے میں تھا اکیلا اک طرف

اسی انداز کی دوسری غزل ملاحظہ فرمایئے:

ظاہر میں اگر چہ میں جدا ہوں
باطن میں تو آپ سے ملا ہوں
اب بھی اے گل مری خبر لے
کانٹا ترے غم میں ہوگیا ہوں
ہر لحظہ دھواں ہے دل سے اٹھتا
وہ آتشِ عشق میں جلا ہوں

سیدھے۔سادھے عشقیہ اشعار ہیں کہیں کہیں رقیب کا ذکر بھی ہمیں ملتا ہے۔

اختلاط آپ کا بڑھتا ہے رقیبوں سے مدام
دیکھو مرجائے نہ یاں کوئی بشر آپ سے آپ

محبوب کی بے اعتنائی، عشق کی تڑپ، حسن کا بیان ہمیں ان کی غزلوں میں جابجا نظر آتا ہے مثلاً:

غیر کے ہاتھ سے ملوا کے حنا
خون میری آنکھوں سے برسایئے گا
پہروں سرگوشیاں ہیں غیروں سے
اک سنتے نہیں ہماری بات
تم جس جگہ ہوشمع کو واں کب فروغ ہو
محفل تھی تم سے نور کا عالم تمام رات

شاہجہاں بیگم نے اپنے کلام میں نادر تشبیہات بھی مستعمل کی ہیں جو کہ مضمون کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہیں ملاحظہ فرمایئے:

آیتیں ابرو ہیں، تل نقطے ہیں قرآن ہے وہ رخ
ان دلیلوں سے تو بیشک میرا ایمان ہے وہ رخ
برگِ گل ہونٹھ ہیں، گل گوش ہیں، نرگس آنکھیں

زلف سنبل ہے، دہن غنچہ، گلستان ہے وہ رخ

سلطان جہاں بیگم کی شادی کے موقع پر منظوم کردہ سہرے کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

کیا ہے سلطان جہاں کو یہ بندھایا سہرا
لعل و گوہر سے بہت خوب سجایا سہرا
سرخ جوڑے پہ ملا عطر، سہاگ اور حنا
مشک چیں عنبرِ سارا میں بسایا سہرا

علاوہ ازیں شاہجہاں بیگم نے تاریخی قطعات بھی کہے ہیں جو فارسی تاریخ گوئی کا بہترین نمونہ ہیں۔ دراصل تاریخ گوئی کے معنی کسی اہم بات کے واقع ہونے، عمارت کی تعمیر یا کسی کی پیدائش کے سن کو شعر میں حرفوں کے اعداد سے ظاہر کرنا ہے۔ شاہجہاں بیگم کے فارسی کے چند تاریخی قطعات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

تاریخ صدر نشینی شاعرہ شاہجہاں بیگم

شاہجہاں سالِ جلوس خودش
وارثۂ کشورِ بھوپال گفت

۱۲۸۵ھ

شاہجہاں بیگم شیریںؔ کے دیوان شائع ہونے کی تاریخ قلم شاعرہ

چون گردید ترتیب دیوانِ من ہم از طبع گشتہ قبولِ قلوب
پی سالِ تاریخ ترتیب و طبع چہ شیریں نو نوشتم بسے خوب خوب

۱۲۸۸ھ

شاہجہاں بیگم کی ہندی شاعری کے کچھ نمونے پیش خدمت ہیں:

چمک چمک برست ہے، پیا بن جیا ترست ہے
اے ری سکھی موہن بن جیا گھبرائے
گرج اومنڈ گھمنڈ جھک برسے بدروا
بولت مور پپیہا دوروا

''دیوانِ شیریں'' کی تقریظ میں محمد عبدالباسط سہسوانی کا قلم شاہجہاں بیگم کے کلام کی داد میں یوں گویا ہے:

الفاظِ رنگین سے رنگینی چمکتی ہے

معانی شیریں سے شیرینی ٹپکتی ہے
بندشِ الفاظ نفیس وچست
محاورہ روز مرّہ سلیس ودرست

حکیم اصغر حسین صاحب مہتمم محکمۂ مشورہ وافسر الاطبائے ریاست بھوپال نے ''دیوان شیریں'' کی تقریظ میں شاہجہاں بیگم کے محاسنِ کلام پر شاعرانہ انداز میں خامہ فرسائی کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

''شیریں بیان نواب شاہجہاں بیگم صاحب متخلّص بہ شیریں والیہ بھوپال کہ جامع فضل وکمال ہیں۔ ہر شعور اسکا سخنوروں کے واسطے نویدِ روح افزا ہے ہر نظر مرغِ نظر کا جال ہے۔ ہر ورق لطفِ تلاش سے مالا مال ہے مضامین سب عالی ہیں۔ بلاغت وفصاحت سے لبریز عیب سے خالی ہیں۔ زورِ طبعیت دیکھ کر شاعروں کے چھکے چھوٹتے ہیں۔ بڑے بڑے نازک خیالوں کے دل ٹوٹتے ہیں۔ ہر نقطہ درِّ شہوار ہے ہر لفظ گوہرِ آبدار ہے''۵

اختتام میں، میں شیریں بیان شاعرہ کے کلام کی فنی خوبیوں اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہونگی کہ ''دیوانِ شیریں'' بھوپال کے اردو ادب کا بیش قیمتی اثاثہ ہے۔ اس کی کمی کے مدنظر اسے ReEdit کروانے کی ضرورت ہے تاکہ آنے والی نسلیں بھی اپنے ماضی کی اس متاعِ بے بہا سے استفادہ کرسکیں۔

حیاتِ شاہجہانی کی کچھ گفتہ نا گفتہ یادیں: ایک جائزہ

کہتے ہیں کہ ہر شخص کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی کچھ حد تک یہ بات بھوپال کی ۱۱ویں حکمراں نواب شاہجہاں بیگم (دورِ حکومت ۱۸۶۸۔۱۹۰۱ء) پر بھی صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اگر بہت ہی گہری تحقیقی نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنی ولادت سے وفات تک کی زندگی مختلف تکالیف سے دوچار ہوتے ہوئے بسر کی۔

شاہجہاں بیگم کے والد بھوپال کے نویں حکمراں نواب جہانگیر محمد خاں (۱۸۳۷۔۱۸۴۴) کو کچھ چاپلوسوں نے ورغلایا اور ان کو اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ وہ اپنی ہی رفیقۂ حیات سکندر بیگم کو مار ڈالیں۔ سکندر بیگم اس زمانے میں امامی دروازے سے پیر دروازے کے بیچ میں واقع ہوا محل میں رہتی تھیں، نواب صاحب کو یہ معلوم تھا کہ کمرے میں پلنگ کہاں ہے اور سرہانا کدھر ہے۔ قدرت کو کچھ اور منظور تھا رضائے الٰہی سے سکندر بیگم کو ان کے اس ناپاک ارادے کی بھنک لگ گئی تھی۔ جب ایک رات نواب جہانگیر محمد خاں اس کارِ بد کو انجام دینے کی نیت سے محل میں داخل ہوئے تو انہوں نے تلوار کی نوک سے چراغ بجھانا شروع کردئے۔ سکندر بیگم کو نواب موصوف کی آمد کی آہٹ ملی تو انہوں نے ایک لمبا سا گاؤ تکیہ اپنے

سر اور جسم پر رکھ کر لحاف اوڑھ لیا۔ جب نواب جہانگیر محمد خاں اندر آئے تو انہوں نے سکندر بیگم پر تلوار سے ایک شدید وار کیا۔ گاؤ تکیہ تلوار سے کٹ نہیں سکتا تھا لیکن اس حملہ سے سکندر بیگم کے بازو پر ایک زخم آیا۔ پورے محل میں چیخ پکار مچ گئی جہانگیر محمد خاں وہاں سے بھاگ نکلے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رائسین کے راستے میں واقع سمردھا کوٹھی میں جا کر چھپ گئے۔ جہانگیر محمد خاں کا یہ قاتلانہ حملہ اگر کامیاب ہو جاتا تو سکندر بیگم اور شاہجہاں بیگم (دونوں ماں بیٹی) ایک ہی قبر میں دفن ہو جاتیں۔ اس چیخ پکار کے فوراً بعد سکندر بیگم کے وفاداروں نے ان کو بحفاظت اسلام نگر کے قلعہ میں پہنچا دیا۔ کچھ مدت بعد شاہجہاں بیگم کی ولادت بھی وہیں ہوئی۔ یہ تھا نواب شاہجہاں بیگم کی پیدائش سے قبل ہی واقع شدہ المیہ۔

شاہجہاں بیگم کا تاریخی نام سعود بخت بیگم اور دوسرا تاریخی نام خورشید تھا۔ آپ کا بچپن اسلام نگر کے محل میں بیتا، یہاں رہکر انہوں نے کئی تعمیری کارناموں کا مشاہدہ کیا۔ بھوپال سے اسلام نگر کی طرف جب ہم جاتے ہیں تو ایک اور داہنی ہاتھ کی طرف اسلام نگر کا محل ہے تو وہیں بائیں اور گونڈ محل ہے جو اسلام نگر سے بھی تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانا ہے۔ اس محل کے رہائشی حصے میں پانی کی باریک پھنوار نکلنے کا بھی بڑا نایاب سسٹم ہے جس سے وہ جگہ ٹھنڈی رہتی تھی اس زمانے میں بجلی یا پمپ تو ہوتے نہیں تھے جس سے کہ پانی کی سپلائی کی جا سکے۔ گونڈ محل کے اس حصے میں اندر اور باہر جو کہ ایک دالان کی شکل کا ہے چھت کے بالکل نیچے بہت باریک سوراخ ہے جس کو سب سے پہلے میرے ماموں سید اختر حسین صاحب نے نوٹ کیا اور اس جگہ پانی کی پھنوار نکلنے کے اس گونڈ محل کی چھت پر پانی جمع کرنے کا ایک حوض آج بھی موجود ہے اور دیوار کے پیچھے ایک کنواں بھی ہے جس میں چرس کے ذریعے تقریباً چالیس فٹ کی اونچائی پر پانی کھینچا جاتا تھا۔

شاہجہاں بیگم نے تاج محل کے صحن میں اس طرح کی ایک لال پتھر سے بنی ۵۲ فٹ بائی ۵۲ فٹ کی ایک عمارت تعمیر کروائی اور اس میں بھی اسی طرح کے باریک نوزل لگائے اس کی چھت پر کسی بہت ہی اونچی جگہ سے پائپ کے ذریعہ پانی آتا تھا اور اس چھت پر ایک کونے میں ایک Volve جو کہ مٹی میں دب چکا تھا اس کو بھی اختر صاحب نے انتہائی محنت و مشقت کر کے ڈھونڈھ نکالا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاج محل میں باہر یا اندر اونچائی پر کوئی اوور ہیڈ ٹینک جیسی کوئی چیز نہیں ہے تو پھر یہ پانی یہاں تک کہاں سے آتا تھا جس میں اونچائی کی وجہ سے اتنا پریشر ہوتا تھا کہ وہ باریک نوزل میں سے پھنوار کی طرح باہر نکلے۔

تقریباً دو تین سال پہلے پروین بازار (پری بازار) کے سامنے سڑک کے کنارے ایک سوئچ لائن کھودی جا رہی تھی۔ اس کھدائی کے دوران تقریباً تین فٹ چوڑی اور چھ فٹ اونچی پتھر کی ایک محراب نظر آئی جو ایسی دکھائی دے رہی تھی جیسے تاج محل کے باہر شمال اور جنوب میں تین محرے ہیں اتفاق سے سید اختر حسین صاحب کا وہاں سے گزر ہوا تو وہیں کچھ میڈیا والے موجود تھے اور وہ ایک ہی بات بول رہے تھے کہ یہ سرنگ ہے۔ سرنگ سے مراد وہ خفیہ راستہ ہوتا ہے جو

پرانے زمانے میں نواب راجہ یا بادشاہ کے محل کے کسی خفیہ کمرے میں سے نکل کر محل سے دور کسی پہاڑ کی چٹانوں کے پیچھے نکلتا تھا۔ میڈیا والوں سے اختر ماموں نے کہا کہ چلو اس سرنگ میں اندر چلتے ہیں اور دیکھیں کہ یہ سرنگ کدھر جاتی ہے قلعہ فتحگڑھ کے جنوب میں تالاب کے کنارے پہاڑ کی چٹانوں میں یا پھر داہنی طرف مڑ کر عیدگاہ کی طرف جاتی ہے، بہر حال کسی نے بھی اندر جانے کی ہمت نہیں جٹائی۔ اس میں سے پانی مستقل بہہ بہہ کر آرہا تھا اور اس کھدائی سے اندازہ یہ ہوا کہ یہ پانی وہاں سے کچھ قدم کے فاصلے پر بے نظیر پیلیس کے شمال میں جو ایک چھوٹا سا باغ ہے اس میں اسی جیسی پتھر کی محراب میں سے ہوتا ہوا موتیا تالاب کی طرف جاتا تھا اور اس جانے والے پانی کو موتیا تالاب کے مغربی کنارے پر دو چھوٹے۔ چھوٹے چبوتروں کے نیچے سے نکالا جاتا تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم نے عیدگاہ سے لیکر پروین بازار تک کے بیچ میں کہیں کوئی بہت بڑا حوض بنوایا تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہوجاتا تھا اور گرمیوں میں پائپ کے ذریعہ اس پانی کو بے نظیر کے فواروں میں پھر بابِ عالی کے باغ کے فواروں میں پھر تاج محل کے ساون بھادوں کی چھت پر پائپ سے جوڑا گیا تھا۔

نواب سکندر بیگم کے دورِ حکومت (۱۸۴۴ء۔۱۸۶۸ء) میں برٹش سامراجیہ کے خلاف پورے ملک میں جنگِ آزادی کی مہم زوروں پر تھی۔ سیہور میں کسی انگریز وائسرائے کے ساتھ کچھ لوگوں نے بدسلوکی کی جس کی وجہ سے وہ فرار ہوکر ہوشنگ آباد میں پناہ گزیں ہوا۔ اس واقعہ سے یہ خدشہ پیدا ہوگیا تھا کہ بھوپال میں اگر اس طرح کا کوئی ردعمل انگریزوں کے خلاف ہوا تو سکندر بیگم کی گدی خطرے میں پڑ جائیگی، اس وقت نواب سکندر بیگم اور ان کی دخترِ نیک شاہجہاں بیگم کی حکمتِ عملی نے ریاست بھوپال مین کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہونے دیا۔ بات یہ تھی کہ پولس والے ان کے فنڈ سے کچھ پیسے کا مطالبہ کررہے تھے جو کہ کافی عرصہ سے ٹلتا جارہا تھا۔ سکندر بیگم اور شاہجہاں بیگم نے سارے پولس عملے کو بلایا اور فرمایا کہ تم میں سبھی افراد اگر تحریری اقرار نامہ لکھ کر دو گے کہ اس وقت بھوپال میں امن چین قائم رکھا جائیگا تو تمہیں مطلوب کردہ رقم دی جائیگی، ایسا ہی ہوا تمام ملازمین نے اقرار نامہ پر دستخط کردئے اور ان کو فوراً ہی مطالبے کی رقم ادا کردی گئی اس طرح سے اس نازک وقت میں دونوں ماں بیٹی کی سوجھ بوجھ سے بھوپال میں کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوا۔

سکندر بیگم کے عہد میں بھوپال کے آس پاس کے جنگلوں میں شیر اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ انہوں نے ایک شیر مارنے پر پانچ روپیہ انعام رکھا تھا اسی طرح شاہجہاں بیگم نے اپنے دور میں ایک شیر مارنے کا ۲۰ روپیہ انعام مقرر کیا۔

نواب شاہجہاں بیگم اپنے تعمیر کردہ تاج محل میں قیام پذیر تھیں۔ تاج محل سے مشرق کی جانب تقریباً تین چار سو قدم کے فاصلے پر منشی حسین خاں کے تالاب کے شمال مشرق میں ایک میدان خالی پڑا تھا۔ جس میں مردے جلائے جاتے تھے اس کی بدبو کافی دور تک پھیلتی تھی۔ شاہجہاں بیگم نے انتہائی دانشورانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنے نجی

سیکریٹری اور انگریزی کے اتالیق منشی حسین خاں سے فرمایا کہ اپنی اس زمین میں سے سڑک کے کنارے کا کچھ حصہ غیر مذہب کے لوگوں کو دیدیجئے اور ان سے کہیے کہ وہاں ایک خوبصورت مندر تعمیر کریں اور اس کام کے لیے مالی امداد بھی فراہم کی گئی جب یہ مندر کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اس کا نام مرگھٹیا مندر رکھا گیا۔ اس طرح نواب شاہجہاں بیگم کی حکمتِ عملی سے بڑا کام انجام پذیر ہوا۔

شاہجہاں بیگم کو شاہجہاں ثانی بھی کہا جاتا تھا جب وہ تاج المساجد تعمیر کروا رہی تھیں تو انہوں نے وضو کرنے کے لیے موتیا تالاب بنوایا اور مسجد کے مشرقی حصے سے تین محروں تک پانی روکنے کے لیے ایک باندھ بنوایا جو کہ شاہجہانی پل کہلاتا تھا۔ اس کے علاوہ ۱۸۸۴ء میں میں سکندر بیگم اور شاہجہاں بیگم کی کوشش سے بھوپال میں ریلوے لائن ڈالی گئی۔ اس زمانے میں نواب راجاؤں کے لیے ریل میں ایک علیحدہ ڈبہ لگایا جاتا تھا جسے رائل سیلون کہتے تھے۔ شاہجہاں بیگم نے تاج محل سے نورمحل تک ایک میٹر گیج کی ریلوے لائن ڈالی اور اس پر رائل سیلون کو دس پندرہ مزدور دھکاتے ہوئے تاج محل سے نورمحل تک لے جاتے تھے اور حفاظت کے مدنظر صبح اور شام کے علاوہ دن میں بھی اس سیلون کو دھکا کر لایا لے جایا جاتا تھا اس کو کیونکہ دھکا کر لاتے لے جاتے تھے اس لیے اس رائل سیلون کو عوام نے ٹھیلے کے کا نام دیا اس طرح اس سڑک کا نام ہی ٹھیلے والی سڑک ہوگیا۔

شاہجہاں بیگم کے گلال میں کینسر ہوگیا تھا جو کہ اس زمانے میں لاعلاج مرض سمجھا جاتا تھا۔ اپنے آخری وقت میں انہوں نے تمام رعایا سے معافی مانگی کہ اگر ان کی کسی بات سے کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو وہ انہیں معاف کردیں۔ اور وہ اپنے ہی بنائے ہوئے نشاط افزاں باغ میں دفن ہوئیں۔ وہاں بہت ہی خوبصورت سنگِ مرمر کی جالیاں لگی تھیں جو وقت گزرنے کے ساتھ غائب ہوچکی ہیں۔ اور آج حالت یہ ہے کہ بس ایک پتھر کا چبوترا بچا ہے۔ جس پر اگر حکومتِ وقت نے توجّہ نہیں دی تو اس کے پٹیئے بھی غائب ہونے کے امکان ہیں۔ افسوس صد افسوس بھوپال کو اتنی پر وقار اور شاندار عمارتوں کی سوغات دینے والی بے مثال حکمراں اپنے آخری مسکن کے لیے غیروں کے نگاہِ کرم کی محتاج ہے۔

حوالہ جات:۔

۱۔ حیات شاہجہانی، مولفہ سلطان جہاں بیگم مطبع آگرہ۔ ۱۹۱۴ء

۲۔ بھوپال میں اردو تحقیق وتنقید کا ارتقاء۔ مصنفہ پروفیسر انیس سلطانہ، بھوپال۔

۳۔ بزمِ سخن۔ صفحہ ۱۷

۴۔ اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ۔ از ڈاکٹر سلیم حامد رضوی بھوپال۔ صفحہ ۱۵۱

۵۔ تقریظ۔ دیوانِ شیریں۔ صفحہ ۶

☆☆☆

فضل الرحمان (ڈاکٹر)
شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

قوسؔ حمزہ پوری کی وطنی شاعری

ہندوستان کے نقشے پر ریاست بہار اپنی ہمہ جہت تابانیوں کے ساتھ درخشاں ہے، جہاں یحییٰ منیری، عبدالقادر بیدل اور شاد عظیم آبادی جیسے شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ فارسی بھی رو بہ زوال ہونے لگی اور فارسی کی جگہ اردو کا بول بالا ہونے لگا تو فارسی کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے قلم کی جولانیاں تیز کر دیں اسطرح ۱۹ویں صدی میں فارسی ادب کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ سامنے آیا۔

بہار کے قصبوں میں فارسی شعر و شاعری کا چرچا عام ہوا، شاعر اور ادیب پیدا ہوئے جن سے ان قصبوں کی پہچان ہوئی۔ ایسے ہی مردم خیز قصبات میں سے ایک قصبہ ''شیر گھاٹی'' کے نام سے مشہور ہوا جو شہر ''گیا'' سے بجانب جنوب ۳۲ کیلومیٹر کے فاصلے پر آباد ہے۔ اہل ہنود کے عقیدے کے مطابق گیا وہ واحد تیرتھ گاہ ہے جہاں پنڈ دان کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ ''پنڈ دان'' وہ رسم ہے جس میں ہندو مذہب کے لوگ ''کارتک'' کے مہینہ میں پانی میں کھڑے ہو کر اپنے اباء واجداد کی پیاسی روح کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ شیر گھاٹی اسی متبرک ضلعے کا اہم حصہ ہے۔

شیر گھاٹی نیشنل ہائی وے نمبر ایک پر کلکتے کی جانب سے ۴۶۰ کیلومیٹر اور دہلی کی طرف سے ۱۰۰۷ کیلومیٹر کے فاصلے پر آباد ہے۔ اسی شیر گھاٹی کا ایک مشہور و معروف محلّہ ''حمزہ پور'' ہے۔ جو فارسی ادب کی تمام روایتوں کا گواہ رہا ہے چند ماہ قبل تک اس قصبے کی نمائندگی ''ناوکؔ حمزہ پوری'' اپنی ادبی تخلیقات خصوصاً رباعیات و مقالات کے ذریعے کر رہے تھے۔ اس محلے کی بنیاد موجودہ سادات کرام کے بزرگ سید شاہ عرب نے ڈالی تھی۔ شروع میں یہاں پندرہ بیس گھر سادات کے آباد ہوئے تھے جو ایک ہی جد اعلیٰ ''سید عرب شاہ'' کی اولاد تھے۔ اب یہ گھرانہ چار پانچ سو مکانات پر مشتمل ہو چکا ہے، جہاں دیگر قوموں کے آباد ہونے کی وجہ سے آبادی بھی ملی جلی ہو گئی ہے۔ اس گھرانے کی خاص خوبی یہ تھی کہ شادی بیاہ کے معاملات حمزہ پور یا شیر گھاٹی کے دوسرے محلوں میں اپنے خاندانی رشتہ داروں تک محدود رکھتے تھے، جیسا کہ سادات کی دیگر تمام بستیوں میں رواج رہا ہے۔ اسکا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شرافت و نجابت نَسَبی قائم و دائم رہتی ہے۔ قوسؔ حمزہ پوری کا تعلق بھی سادات کے اسی گھرانے سے ہے اور یہاں کی ادبی شعری فضا میں ہی وہ پروان چڑھے تھے۔

قوسؔ حمزہ پوری ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۵ء کو اپنے جدی مکان کے اس کمرے میں پیدا ہوئے جو ان کے چچا مولانا تجمل حسین کا کتب خانہ تھا(۱) یہی وہ سال ہے جس میں ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانیوں کے حقوق کی نگہبانی کے لئے ''بھارتیہ راشٹریہ کانگریس'' کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔قوسؔ کا نام سید غلام رسول تھا۔ یہ نام ان کے دادا میر لطف علی نے رکھا تھا۔(۲) اور خود قوسؔ نے اپنا تخلص ''رسول'' منتخب کیا تھا۔لیکن بعد میں جب حشر بیتھوی کی خدمت میں اپنے کلام کے اصلاح کے سلسلے میں گئے تو انہوں نے تخلص کو بدل کر ''قوس'' کر دیا۔(۳) اور وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے آپ کے والد گرامی سید حبیب الحسین ایک سرکاری ملازم تھے(۴) جنکا سلسلہ نسب ۳۶ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسینؓ سے اور ۳۸ واسطوں کے رسول خدا خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جا ملتا ہے۔(۵)

قوسؔ کی پرورش میں ان کے چچا مولانا تجمل حسین کا اہم کردار رہا ہے جو اپنے دور کے مشہور و معروف شاعر،ادیب اور صوفی منش انسان تھے۔قوسؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا میر لطف علی سے حاصل کی۔اسکے بعد اپنے چچا سے فارسی ادب کے رموز سیکھ کر سید فدا حسین سے اور شفق عماد پوری سے بھی فیض اٹھایا۔ یہاں تک کہ قوسؔ نے علوم ظاہری و باطنی اپنی ریاضت و کتب بینی مطالعہ و مشق کی بدولت حاصل کئے۔اس وسیلے سے قوسؔ نے معلومات علمی میں اتنی اہلیت بہم پہنچائی کہ اس علاقے میں فارسی دانی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔(۶)

قوسؔ کے چچا مولانا تجمل حسین بھی شاعر تھے اس طرح قوسؔ کو اپنے گھر سے ہی علمی و ادبی سرگرمیاں دیکھنے کو ملیں۔اس وقت گیا بھی علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔لہذا یہاں کی ادبی فضا نے قوسؔ کے ادبی ذوق کے محرک کا کام کیا۔اس زمانے میں عشرت گیاوی،شفق عماد پوری،عرش گیاوی،فریاد شیر گھاٹوی،حشر بیتھوی اور فدا حسین جیسے نامور شعراء و ادباء رونق افروز محفل تھے۔گیا میں حشر بیتھوی کی سرپرستی میں ہر ماہ باقاعدہ مشاعرہ منعقد کیا جاتا تھا۔ان ہی سب وجوہات نے قوسؔ کو شاعری پر اکسایا،اور اسطرح قوسؔ حشر بیتھوی کی خدمت میں اپنے کلام پر اصلاح کی غرض سے تشریف لے گئے۔اس وقت تک قوسؔ کا تخلص ''رسول'' تھا جسے حشر بیتھوی نے بدل کر ''قوس'' کر دیا اور وہ پھر اسی تخلص سے مشہور و معروف ہو گئے۔

سادات حمزہ پور ہمیشہ درس و تدریس کے کام میں مصروف رہے ہیں گویا اس قصبے کی علمی وراثت ان ہی کے ذریعے دوسری قوموں تک پہنچی ہے اور یہ روایت آج تک جاری ہے۔قوسؔ حمزہ پوری کے صاحبزادے ''غلام السیدین'' جنکا قلمی نام ناوکؔ حمزہ پوری تھا،جو برصغیر میں بحیثیت ادیب و شاعر مشہور و معروف ہوئے اور آخری عمر تک تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ابھی گزشتہ سال آپ کا حمزہ پور میں انتقال ہو گیا ہے آپ کی سو سے زائد کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں آپ ایک باکمال شاعر و ادیب گزرے ہیں۔اردو،فارسی،انگریزی اور ہندی زبانوں پر قدرت رکھنے کے

ساتھ ساتھ عربی و سنسکرت زبان کا بھی علم تھا۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود بھی آپکی یادداشت بہت قوی تھی، اخیر عمر تک آپ حمزہ پور میں ہی مقیم تھے۔

قوسؔ حمزہ پوری نے فارسی اصناف سخن غزل، قصیدہ اور رباعی کو اپنا کر اس زبان وادب کی خدمت کی ہے۔ رباعی ان کی پسندیدہ صنف سخن ہے۔ انکے کلام میں وہ تمام مضامین ملتے ہیں جن پر فارسی رباعیات کی اساس قائم ہے۔ اخلاقی، عرفانی، سماجی غرض کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ اس صنف کے ذریعے ہوجاتا ہے۔

قوسؔ حمزہ پوری صوفی منش انسان تھے جو انسان کو ہمیشہ انصاف کی راہ پر گامزن رہنے کی تلقین کرتے اور ہر مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ خلوص ومحبت سے پیش آتے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیتے۔ یہی وہ روایت ہے جو اسلامی، عرفانی اصولوں کی عکاسی کرتی ہے ۔

بسار مذاہب اندبر روی زمین
ہر مشربی را جداست رسم و آئین
آنان کہ خلافِ دین تو راہ روند
ہم باایشان خلوص بنمای، نہ کین (۷)

اسی بات کو حضرت نظام الدین اولیاء نے اس طرح ادا کیا ہے ۔

ہر قوم راست راہی دینی و قبلہ گاہی
من قبلہ راست کردم بہ سوی کج کلاہی

قوسؔ صاحب عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی منش انسان تھے وہ ایک سچے پکے مسلمان ہونے کی بنا پر اپنے عقیدے اور اصولوں کے پابند تھے اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک سچا دین ہے، جس کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ جن کی وجہ سے وہ ایک سچا محبّ وطن بھی ہے اور حب الوطنی پر ہی کیا منحصر انسان دوستی ہو یا مہر ومروت، محبت ہو یا صلح و آشتی، ایثار ہو یا قربانی، مذہب پرست جتنا اعلیٰ اقدار کا حامل ہوتا ہے اتنا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خدا کا خوف آدمی کو انسان بناتا ہے اور یہ خوف دین کا اہم حصہ ہے۔ قوسؔ صاحب کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ سر زمین ہند کے تقدس و پاکیزگی اور اس سے اپنی محبت کے نشے میں سرشار وبیخود ہوکر قوسؔ یوں گویا ہوتے ہیں ۔

قسم بہ شیرِ تو ای بر گزیدہ مادر ہند
کہ بوسہ بر لبم از خاک پات می جوشد (۸)

یہاں مادر ہند کی ترکیب کا استعمال اسلامی روایت کے علاوہ کسی دوسری روایت کی عکاسی کرتا ہے۔ لیکن حب

الوطنی میں یہ بھی گوارہ ہے۔ کیونکہ قوسؔ کے نزدیک وہ شخص جسے قوم وملک کی محبت نہیں وہ انسان نہیں۔ وطن کی حفاظت کرنا ہر انسان کا فریضہ ہے۔

ہمالہ اور گنگا کا تذکرہ اکثر ہندوستانی شعراء نے کیا ہے۔ علامہ اقبالؔ کے یہاں یہ مضامین بہت واضح ہیں۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ گنگا میں اشنان کرنے سے سارے پاپ دھل جاتے ہیں، اور عرفان الٰہی کے پیاسے سادھو اور سنتوں نے ہمالہ کی آغوش میں نور حق کا دیدار کیا ہے۔ لہٰذا ہمالہ پہاڑ صرف ہمارا نگہبان ہی نہیں اور گنگا صرف ندی ہی نہیں، بلکہ تقدس کا ایک نشان بھی ہے۔ چنانچہ قوسؔ کہتے ہیں ؎

قسم بہ کوہ ہمالہ وچشمۂ گنگا!
بہ سنگ وچشمۂ ایشان نجات می جوشد (۹)

اسی طرح وہ اپنے وطن ''گیا'' پر فخر کرتے ہیں اور اسے بغداد پر ترجیح دیتے ہیں اسی طرح فرات کے پانی سے بہتر اور پاکیزہ گنگا کے پانی کو مانتے ہیں کہ اس سے تمام لوگ اپنی پیاس بجھاتے ہیں جبکہ فرات کا پانی تو سلف صالحین پر بند کر دیا گیا تھا ؎

جای بغدادؔ گیاؔ را پی ما بنوشتند
بجرِ گنگا عوضِ رود فراتؔم دادند (۱۰)

قوسؔ نے جس عہد میں پرورش پائی وہ غلامی کا دور تھا اور عوام آزادیٔ ہند کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں دو تحریکیں زوروں پر تھیں ایک شبھاش چندر بوس، اشفاق اللہ خان اور بھگت سنگھ وغیرہ کی دوسری گاندھی جی کی۔ قوسؔ بھی ان تحریکوں سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ انہوں نے انقلاب کی آگ کو ہوا دی اور جدوجہد آزادی کے لئے عوامی جذبات کو ابھارنے کا فریضہ ادا کیا۔ اور ایک سچے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جذبۂ حب الوطنی اور نشۂ آزادی کی سرشاری کے اظہار سے مسلمانوں کا سر اونچا کیا۔ وہ شیر شاہ کے بنائے ہوئے مظبوط قلعے کو یاد کرتے ہوئے اسے آزادی کا سنبل قرار دیتے ہیں کیونکہ آزادی کے لئے ہمت مردانہ لازمی ہے بزدلی نہیں اور شیر شاہ ہمت مردانہ کی بدولت ہی ایک معمولی سپاہی سے امارت کی منزل تک پہنچا تھا ؎

کی بہ آزادی غلامی می رسد
خس کدہ چون قلعۂ رہتاس نیست (۱۱)

قوسؔ کی شاعری آزادیٔ ہند اور ہندو مسلم اتحاد کے جوش سے بھری پڑی ہے ان کے کلام کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قوسؔ بھی برادران وطن کے ساتھ تحریک آزادی میں شانہ بہ شانہ کھڑے تھے بلکہ اتحاد واتفاق کا جذبہ بھی رکھتے

تھے۔ان کے کلام میں اسی خیال کی ترجمانی ملتی ہے ۔

یا رب ہنود و مسلم ابنای ملک را
شیرینی خلوص چون شیر و شکر بدہ (۱۲)

اسی طرح وہ یوں گویا ہوتے ہیں۔

کن اتحاد بہ دل بابرادرانِ وطن
کہ اتفاق ضیا بخش عارضِ امل است (۱۳)

ہندوستان کی غلامی سے آزردہ دل قوسؔ یہ محسوس کر رہے تھے کہ انگریز ہندوستانیوں کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کر کے حکومت کے مزے لے رہے ہیں۔اگر ہندوستان میں رہنے والے ہندو، مسلم اور سکھ ایک ہو جائیں اور ان میں آپسی بھائی چارہ واتحاد دوبارہ قائم ہو جائے تو آزادی کی منزل آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہے ۔

معدوم زہند اختلافات نمای
مسدود درِ فتنہ وآفات نمای
جز فعل نکو بہ نیک و بد فرقی چیست
باہر کہ و مہ لطفِ مساوات نمای (۱۴)

قوسؔ کی نظروں میں وطن کی غلامی اللہ کا قہر تھی۔اور جو لوگ اس تحریک سے جی چراتے ہیں انکو وہ مردہ دل و بے ضمیر کہکر للکارتے ہیں۔انھیں غلامی کی لعنت اور آزادی کی نعمت کا احساس دلانے کے لئے طنز کا سہارا لیتے ہیں انھیں الو کی مثال سے واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ الو کو دنیا میں سب سے منحوس پرندہ سمجھا جاتا ہے اسکے باوجود بھی وہ آزادانہ زندگی گذار رہا ہے اور تم انسان ہو کر بھی ذلت ومحکومی کی زندگی گذار رہے ہو۔اس طرح وہ انسانی غیرت کو للکارتے ہیں کہ کسی طرح برادان وطن کے اندر آزادی کی تحریک میں شامل ہونے کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔چنانچہ وہ کہتے ہیں ۔

دیگر چہ بود ہمچو غلامی شومی
جور است چہ غیرِ ذلت محکومی
انسانی و شکلِ حیوان در قفسی
بومی کہ بہ بندگی خوش اندر بومی (۱۵)

قوسؔ حمزہ پوری یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک بھی ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور ترقی بھی ایسی جیسی کہ مغرب میں ہو رہی ہے وہ کہتے ہیں کہ یوروپ کی ترقی سبھی لوگوں پر ظاہر ہے۔لہٰذا ہمیں بھی ملک کی تعمیر وترقی کے لئے وہی طریقہ کار

اختیار کرنا چاہئے جو یوروپ میں کیا جارہا ہے۔اسی کے ساتھ وہ قوم کو یوروپ کی تہذیب وعریانیت سے محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہیں جس سے روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ان کی تقلید صرف ترقی کی منزلوں میں ہونی چاہئے اور ممکن ہوتو ان سے بھی آگے بڑھ جانا چاہئے۔

یوروپ کہ تمدنِ جہان است ازو
ہر گونہ ترقیِ عیان ست ازو
ہشیار ز محض شغفِ مادیات
چون قوت روح بر کران ست ازو (۱۶)

ایک دوسری جگہ یوں فکر کی جولانیاں دکھاتے ہیں۔

یاد ایامی کہ یوروپ بُرداز من مایہا
دانہ دانہ وام دادم آنچہ خرمن داشتم (۱۷)

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ ۲۱ ویں صدی کے ہندوستان میں فارسی ادب پر جب بھی گفتگو کی جائے گی تو علامہ اقبالؔ کے بعد قوسؔ حمزہ پوری کا ہی کلام ہوگا جس پر فارسی ادب فخر کرسکتا ہے۔دور حاضر میں جب کہ اسلامی ممالک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے۔جس کے شعلے کبھی کبھی امن پسند ہند تک بھی پہنچنے لگتے ہیں۔ایسے میں ضرورت ہے کہ قوس کے کلام کو عام کرکے ان کے نظریات کا فائدہ اٹھایا جائے اور نوجوانوں میں اسلامی جذبات کے ساتھ وطنی احساسات اور اس سے محبت کا جذبہ جگایا جائے تاکہ ہندوستان اور اس کے باشندے پرسکون زندگی گزارتے ہوئے ترقی کی راہیں طے کرتے رہیں۔

ماخذ

۱۔قوس حمزہ پوری ایک تعارف ص/۲۲ ۲۔ایضاً ص/۱۸ ۳۔ایضاً ص/۱۹
۴۔ایضاً ص/۲۰ ۵۔توقیت قوس ص/۲۷ ۶۔توقیت قوس ص/۴۵
۷۔رباعیت قوس ص/۱۱۳ ۸۔قوس حمزہ پوری ایک تعارف ص/۲۱۶ ۹۔ایضاً ص/۲۱۶
۱۰۔سخن معتبر ص/۴۴ ۱۱۔ایضاً ص/۳۹ ۱۲۔ایضاً ص/۱۳
۱۳۔ایضاً ص/۳۴ ۱۴۔گوہر شاہوار رباعیات ص/۱۳۴ ۱۵۔رباعیات قوس ص/۱۹۹
۱۶۔گوہر شاہوار رباعیات ص/۱۱۶ ۱۷۔سخن معتبر ص/۵۱

☆☆☆

میراث خطی

ناظرہ اسحاق
پی ایچ ڈی، شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

دیوان ناصر علی سرہندی کے خطی نسخے

بلاشبہ ناصر علی سرہندی عہد اورنگ زیب کے عظیم شعراء میں شمار ہوتا ہے انکا تخلص علی، تھا وہ ۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۸ء میں سرہند کے ایک معزز سید خان میں پیدا ہوئے، والد کا نام ''رجب علی بیگ'' تھا جو ''حالی'' تخلص رکھتے تھے۔ ناصر علی نے ابتدائی تعلیم سرہند میں ہی حاصل کی۔ افضل سرخوش ناصر علی کے قریبی دوستوں میں سے تھے وہ سب سے پہلے نواب سیف خان کی سرکار سے وابستہ ہوئے۔ شکر اللہ خان سے بھی ناصر علی کے بہت اچھے مراسم تھے۔

۱۱۰۰/ ۱۶۸۸ء میں ناصر علی کی بیجاپور میں اورنگ زیب سے ملاقات ہوئی۔ اور بیجاپور میں ہی ذوالفقار خان سے بھی ملاقات ہوئی جس نے ناصر علی کی سرپرستی کی اور ناصر علی نے ذوالفقار خان کی مدح ان الفاظ میں کی ہے۔

ای شان حیدری زجبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

ناصر علی نوجوانی میں بڑے آزاد قسم کے انسان تھے شراب نوشی بھی کیا کرتے تھے مگر شیخ معصوم کے مرید ہونے کے بعد ان میں بہت تبدیلی آ گئی انھوں نے شیخ معصوم کے سامنے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی اور باقی عمر گوشہ نشینی میں گزار دی۔ ناصر علی شیخ معصوم کی شان میں کچھ اس طرح عرض کیا ہے۔

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

ناصر علی نے ۲۰ رمضان ۱۱۰۸ھ/ ۲/اپریل ۱۶۹۸ء میں وفات پائی۔ انھوں نے ساٹھ سال کی عمر پائی تھی اور وہ حضرت نظام الدین اولیاء کے نواح میں دفن کئے گئے۔ بیدل نے ''رنگ ناز شکست'' سے انکی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ناصر علی کے قریبی دوست افضل سرخوش نے قطعہ تاریخ کہا ہے:

وارستہ علی بہ ہمت بے پروا
از راحت و رنج و دہر مستغنی رفت

دایم چو توجھش سوی معنی بود
دل کندہ زصورت کدہ ہستی رفت
سرخوش ز خرد سال وفاتش پرسید
گفت آہ علی بعالم معنی رفت

میر افضل سرخوش نے ''علی بہ عالم معنی رفت'' سے ناصر علی کی وفات کی تاریخ کالی ہے جو کہ ۱۱۰۸ھ ہے۔
ناصر علی کی تصانیف میں ایک دیوان، مثنوی دفتر اول، متعدد مختصر مثنویاں، کچھ نثری تحریریں بھی ملتی ہیں۔ اور ر ایک متفرق اشعار کا مجموعہ ''عین الحیوٰۃ'' کے نام سے ہے۔

مخطوطات

(۱) رامپور رضا لائبریری، رامپور:

رامپور رضا لائبریری میں یہ نسخہ شمارہ ST2275 میں ''۳۶۲۰ن'' ہے جو ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ میں لکھا گیا ہے اور شاعر کے انتقال کے ۲۴ سال کے بعد لکھا گیا ہے اور قریب العہد ہے اسی وجہ سے میں نے اس نسخہ کو اپنا اساسی نسخہ بنایا ہے۔ یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے صاف ستھرا ہے ایک صفحہ پر ۱۲ سطر ہیں کل اوراق کی تعداد ۱۲۰ ہے یہ نسخہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اور رمندرجہ ذیل شعر پر اسکا خاتمہ ہوتا ہے۔

جز ترک سخن نیست دلیلی بسخن
شمع رہ غواص نفس سوختن است

(۲) خدا بخش لائبریری، پٹنہ:

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں یہ نسخہ شمارہ HL-4292 موجود ہے یہ نسخہ ۱۱۹۳ھ میں لکھا گیا ہے جو خط نستعلیق میں ہے اچھی اور صاف ستھری حالت میں ہے۔ یہ نسخہ بھی اسی شعر سے شروع ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اوراسکا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:

خراش سینہ بلبل بنوک خارشکست
ھنوز آبلہ درپای سینۂ حلبی است

(۳) مولانا آزادلائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

مولانا آزادلائبریری علی گڑھ میں یہ نسخہ شمارہ ۲۷/ ۴۷، حبیب گنج کے نام سے موجود ہے جو خط شکستہ میں ہے ایک صفحہ پر ۱۰ سطر ہیں کل اوراق کی تعداد ۹۹ ہے۔ یہ نسخہ ۱۲۱۲ھ میں لکھا گیا ہے جیسا کہ اسکے ترقیمہ سے ظاہر ہے۔ ''بمنت تمام شد نسخہ دیوان میان ناصر علی غفر اللہ واقعہ سالح دوئیم شہر ربیع الثانی ۱۲۱۲ھ المقدس روز یکشنبہ.....نواب وزیر علیخان۔''

اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اوراسکا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

حدیث عالم علوی شنیدن آسان نیست
بگوش خویش کلامش شنیدن امکان نیست

(۴) مولانا آزادلائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

مولانا آزادلائبری میں یہ نسخہ شمارہ (۱۹) یونیورسٹی فارسی ضمیمہ ادب ۱۹ کے نام سے موجود ہے یہ نسخہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے ایک صفحہ پر ۱۷ سطر ہیں اور ۳۷ اوراق ہیں یہ نسخہ ۱۲۱۶ھ میں لکھا گیا ہے جیسا کہ اسکے ترقیمہ سے ظاہر ہوتا ہے: ''بمنت تمام شد دیوان ناصر علی بعنوان اللہ تعالیٰ جل شانہ بخط..... بروز چھار شنبہ تاریخ بیست یکم بھر محرم الحرام ۱۲۱۶ھ باختتام رسد''۔

ھر کہ دارند دعا طمع دارم
زآنکہ من بندہ کینہ کارم

(۵) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں یہ نسخہ شمارہ ۷/۶۸۲ ،سلیمان کلکشن کے نام سے موجود ہے اس نسخہ میں سن تالیف نہیں ہے یہ نسخہ خط شکستہ میں لکھا ہوا ہے ایک صفحہ پر ۱۴ سطر ہیں اور ۸۰ اوراق ہیں ۔ یہ نسخہ بھی اسی شعر سے شروع ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اور اس نسخہ کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

ندیدم زوقی ہمطرح امواج جدایہا
علی مارا فراق شاہ عادل کرد طوفانی

(۶) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں یہ شمارہ ۱۶۷، جواہر فارسی کے نام سے موجود ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے صاف ستھرا اور اچھی حالت میں ہے ایک صفحہ پر ۱۱ سطر ہیں کل اوراق کی تعداد ۶۳ ہے اس نسخہ کا آغاز بھی اسی شعر سے ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اور مندرجہ ذیل شعر پر ختم ہوتا ہے:

ھمچو آن سطر کہ زایل از رقم خطی
بنگاھی شکند ھیبت او فوج غنیم

(۷) دیوان ناصر علی سرہندی-مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ- جواہر فارسی ۳۳۷

(۸) دیوان ناصر علی سرہندی-مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ-سلیمان کلیکشن فارسی ۶۸۳/۸

(۹) دیوان ناصر علی سرہندی-مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ- جواہر فارسی ۲۹۷

(۱۰) دیوان ناصر علی سرہندی-مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ- جواہر فارسی ۴۶۷

(۱۱) دیوان ناصر علی سرہندی-رامپور رضا لائبریری رامپور۔۳۶۲۱-تعداد اوراق ۷۶

(۱۲) دیوان ناصر علی سرہندی-رامپور رضا لائبریری رامپور۔۳۶۲۲الف-اسکے کاتب کا نام عادل بیگ ہے اور

کل اوراق کی تعداد ۵ ہے۔

(۱۳) دیوان ناصرعلی سرہندی- رامپور رضا لائبریری رامپور-۳۶۲۲ ب- تعداد اوراق ۶۸

(۱۴) دیوان ناصرعلی سرہندی- رامپور رضا لائبریری رامپور-۳۶۲۳- تعداد اوراق ۶۵

(۱۵) دیوان ناصرعلی سرہندی- رامپور رضا لائبریری رامپور-۳۶۲۴- سن کتابت ۱۲۹۲ھ ہے اور کاتب کا نام احمد علی خان بیخود ولد گلاب خان رامپوری ہے۔

(۱۶) دیوان ناصرعلی سرہندی- خدا بخش لائبریری، پٹنہ-HL2628

(۱۷) دیوان ناصرعلی سرہندی- خدا بخش لائبریری، پٹنہ-HL3285

(۱۸) دیوان ناصرعلی سرہندی- خدا بخش لائبریری، پٹنہ-HL4268

(۱۹) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ:

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں یہ نسخہ شمارہ ۳۶۳ موجود ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے کل اوراق کی تعداد ۸۵ ہے اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

(۲۰) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ:

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں یہ نسخہ شمارہ O16.091 K55D موجود ہے کل اواق کی تعداد ۵۶ ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے کاتب کا نام فضل علی ہے اس پر جو مہر لگی ہوئی ہے وہ ھنومان سھای کے نام کی ہے اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

(۲۱) بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس:

بنارس ہندو یونیورسٹی میں یہ نسخہ شمارہ O 164, 1H631 موجود ہے کاتب کا نام مایہ پرساد ہے کل اوراق کی تعداد ۱۴۶ ہے اور اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

(۲۲) بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس:

بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس میں یہ نسخہ شمارہ O164,1K51,1 موجود ہے کل اوراق کی تعداد ۱۲۶ ہے۔ اسکے کاتب کا نام فتح چند ہے سن کتابت 1757A.D ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے اور اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

الٰھی شوخی برق تجلی دہ زبانم را
قبول خاطر موسی نگاھا کن بیانم را

(۲۳) بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس:

بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس میں یہ نسخہ شمارہ O164,1K51,1 موجود ہے کل اوراق کی تعداد ۱۵۲ ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے سن کتابت ۱۸۱۹AD ہے کاتب کا نام اودھی سنگھ ہے۔

(۲۴) بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس:

بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس میں یہ نسخہ شمارہ O164,1K51,1 موجود ہے کل اوراق کی تعداد ۱۶۰ ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے سن کتابت ۱۸۳۸A.D ہے اور کاتب کا نام جوالہ ناتھ ہے۔

(۲۵) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں دیوان ناصر علی کے کئی نسخے موجود ہیں جن کی تفصیل ذیل کے سطور مین بیان کی جاتی ہے۔ یہ نسخہ شمارہ A/Nm486 موجود ہے اسکے کاتب کا نام حافظ عبدالرسول ہے اور سنِ اشاعت ۳ رجب ۲۳ محمد شاہی ۱۱۵۳ھ بمطابق ۱۷۴۰ء ہے اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اور اس کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

در معرکہ ذو الفقار نصرت جنگی
بعد از اسد اللہ باسد خان دارند

(۲۶) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm487 موجود ہے اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

محبت جادۂ دارد نھان در خلوت دلھا
چوتار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلھا

اوراس نسخہ کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:

معشوق قلندرم جھان ملک منست
یعنی کہ خلیفۂ رسول اللہ ام

اس نسخہ کے آخر میں جو مہریں ہیں وہ ان لوگوں کے ناموں کی ہیں۔ میر ضیاءالدین حسین ۱۲، میر ابراہیم علی خان ۲۱، اعتضادالدولہ ۱۲۵۶ھ، باقر نواز خان ۱۱۷۱ھ۔

(۲۷) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm488 موجود ہے اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

در فیض است منشین از کشایش ناامید اینجا
برنگ دانہ از ھر قفل میروید کلید اینجا

اوراختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

گرخط برزدہ بینی و بھم عیب مکن
کہ مرا محنت ایام بھم برزدہ است

اس نسخہ کے آخر میں جو مہریں ہیں وہ ان لوگوں کے ناموں کی ہیں یاردہ اور میر ولایت علی ۱۲۵۴۔

(۲۸) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm489 موجود ہے یہ نسخہ خط نستعلیق میں ہے اسکا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

موبر اندام چو دشمن میزند شمشیر ھا
خوردہ ام چو ماھی از بال وپر؟

اوراس نسخہ کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:

چون گرمی و سردی عزیزان جھان
خورشید نموز باشد و سایہ دی

(۲۹) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm490 موجود ہے یہ نسخہ ۱۱ویں صدی ہجری کا ہے اوراس شعر سے شروع ہوتا ہے:

بعزلت پافشردم یافتم آرام جان اینجا
جھان صحرای محشر بود بستم آشیان اینجا

اوراس نسخہ کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

آئینہ ھستی بدستم چون شمع
ھر چند کہ خاند پر شد از ما خالیست

(۳۰) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm491 موجود ہے اسکے کاتب کا نام میر عابد حسین رضوی ہے اور یہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ اس نسخہ کی ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے:

آھو بکفل سرمہ کشد صدر جبین را
پابند غزالان کند آئینہ چین را

(۳۱) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزئیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm492 موجود ہے۔ یہ نسخہ ۱۲ویں صدی ہجری کے آخر کا ہے اس نسخہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

الھی شوخی برق تجلی دہ زبانم را
قبول خاطر موسی نگاھان کن بیانم را

اوراس نسخہ کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

من از شوق دعای تو ما سنگ زدم
دست بکشودم و سرکردہ اجابت تسلیم

(۳۲) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نخہ شمارہ A/Nm1085/3 موجود ہے اسکے کاتب کا نام سید احمد ہے سن اشاعت ۱۷۳۶ء یہ نسخہ خط شکستہ میں ہے اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

خاک کردیدیم و میر قصد ھنوز افغان ما
خم شکست اما نمی ریزد مئی جوشان ما

اوراس نسخہ کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

نگہ ما نشدہ چون شاخ شجر طور علی
چشم ما بر قد و رفتار کہ افتادہ است

(۳۳) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm1081/11 موجود ہے۔ یہ نسخہ خط شکستہ میں ہے اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

گذشتم از رہ دریای دل زین کھنہ منزلھا
دو عالم خشک برجا ماند از حیرت چوساحلھا

اوراس نسخہ کا اختتام مندرجہ ذیل شعر پر ہوتا ہے:

بصحرای کہ من گل کردہ ام رنگ پریشانی
بود شاخ غزالانش نسیم آشفتہ گیسوئی

(۳۴) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد:

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں یہ نسخہ شمارہ A/Nm1075/3 موجود ہے یہ نسخہ خط شکستہ میں ہے اوراس شعر سے شروع ہوتا ہے:

موبر اندامم چو دشمن میزند شمشیرھا
خوردہ ام از بال و پر خود تیرھا

اوراس نسخہ کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

خون ریزی عدو ھمہ از مرتضی علی است
در دست او؟ چو ذوالفقار

☆☆☆

دکنیات

عالم اعظمی (ڈاکٹر)
ایسوسی ایٹ پروفیسر، خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ

مضطرؔ مجاز اور دیگر مترجمین اقبالؔ
ایک تقابلی مطالعہ

ترجمہ کرنا جتنا آسان ہے اچھا ترجمہ کرنا اتنا ہی مشکل۔ آسان ان معنوں میں کہ مترجم کو ذہن و دل کی وادی میں تلاش فکر کی مشقتیں نہیں برداشت کرنی پڑتیں اور مشکل ان معنوں میں کہ خود اپنے ہی جذبات و احساسات کی دلکش اور اثر انگیز ترسیل ایک دقت طلب مسئلہ ہے، چہ جائیکہ دوسروں کے فکر و جذبے کو لفظوں کے قالب میں ڈھالنا اور وہ بھی خود سے بہتر اور برتر شاعر کا۔ کیوں کہ عموماً شاعر مترجم کا ہمسر یا اس سے برتر ہوتا ہے، ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ ایک اول درجے کا ادیب کسی دوسرے درجے کے ادیب کی تخلیق کا ترجمہ کرے۔ اور اگر ترجمہ منظوم ہو تو مشکل دو چند ہو جاتی ہے۔ خصوصاً اقبالؔ جیسے مفکر اور فلسفی شاعر کے کلام کا منظوم ترجمہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ منظوم ترجمے کے ضمن میں یہ امر مسلّم ہے کہ اچھا مترجم ہونے کے لیے شاعر ہونا ضروری ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہر اچھا شاعر اچھا مترجم بھی ہو۔ ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے لفظوں میں ''.....ترجمے کی وہ شاخ جس کو چھوتے ہوئے اہل علم کی انگلیاں جلتی ہیں، شعر کا ترجمہ ہے.....'' لیکن مقام شکر ہے کہ ہمارے لائق و فائق مترجمین نے یہ دعوت جاں نثاری بھی پروانہ وار قبول کی اور انھوں نے نہ صرف منظوم ترجمے کی آگ میں انگلیاں جلالیں بلکہ ''تن بہ تیغ دہم'' کی تفسیریں بن گئے اور اس کی نکہت روح پرور کو اپنے ترجمے میں اس حد تک جذب کر لیا کہ اس پر شاخ گل (تخلیق) بھی نثار ہوگئی۔ اقبالؔ کے مترجمین سے اکثر یہ کمال سرزد ہوا ہے۔

اقبالؔ کے فارسی کلام کے اردو مترجمین نے صلہ و ستائش کی پروا کئے بغیر اقبالؔ شناسی و اقبالؔ فہمی کے میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں جن کے بارِ احسان سے محبانِ اقبالؔ سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اس عظیم شاعر کے فکر و فن کا پیکر اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر محیط ہے۔ اقبالؔ کے فکر و فن کا آغاز اور اس کی تشکیل اردو سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کی نشو و نما اور تکمیل فارسی میں ہوتی ہے۔ اقبالؔ کے فارسی کلام کے بغیر اقبالِ کامل کا تصور ناممکن ہے۔ ان کی اردو شاعری کا نرم و نازک پودا فارسی میں ایک تناور درخت بن کر برگ و بار لاتا ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ کمیت کے لحاظ سے بھی اقبالؔ کا

دوتہائی سرمایۂ کلام فارسی میں ہے۔جس کو اردو کے قالب میں ڈھال کر بے لوث اور مخلص مترجمین نے ایک عظیم علمی وادبی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جو اردو زبان کے اس دورِ انحطاط میں بہت امید افزا قدم ہے۔اور جس کا مطالعہ قاری کے ذہن ودل پر تفہیم اقبالؔ کے نئے افق روشن کرتا اور نئی جہات کی راہیں کھولتا ہے۔ان تراجم کی فارسی تراکیب کی آمیزش سے اردو نے بہت دلکش آب ورنگ تیار کیا ہے اور قاری اس کے طلسم میں ایسا گرفتار ہوجاتا ہے کہ اس کے وفور شوق کے لیے فارسی زبان اپنی تفہیم کے درکھول دیتی ہے۔

مضطرؔ مجاز ایک شاعرانہ مزاج لے کر پیدا ہوئے۔زلیخائے سخن اپنی تمام تر ادبی نزاکتوں اور فنی لطافتوں کے ساتھ ان پر فریفتہ ہے۔انھوں نے ایسی سنگلاخ زمینوں کو جوئے فکر وفن سے سرسبز وشاداب کیا ہے جن میں اچھے اچھے استادانِ فن کے تیشے کند ہوجاتے ہیں۔انھوں نے معرب ومفرس تراکیب کا استعمال اتنے فکری بہاؤ اور فنی رچاؤ کے ساتھ کیا ہے کہ کہیں خشکی ونامانوسیت اور بیگانگی واجنبیت کا گزر نہیں۔سنگین الفاظ کو دست آذری کی تراش خراش کے ذریعہ انھوں نے شاہکار بت گری نہیں بنایا بلکہ ان کے فن کی حدت اور جذبے کی آنچ سے پگھل کر سخت سے سخت مضامین کمال فن کے سانچے میں ڈھل گئے۔مضطرؔ مجاز الفاظ کے خاندان وقبیلہ اور ان کی تاریخ وشجرہ کے رموز شناس ہیں۔الفاظ ان کی فکر کے وفادار اور فن کے فرمانبردار ہیں۔ان کے اشعار میں الفاظ کے دروبست اور بندش کی چستی کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ہر لفظ کو اپنے مقام اور جائے وقوع کا علم ہے۔شعر میں ہر لفظ پوری دیانت داری اور فرض شناسی کے ساتھ اپنی نشست سنبھالتا چلا جاتا ہے۔مضطرؔ مجاز کے پاس کوہ کندن وکاہ برآوردن والی میکانکی شاعری نہیں بلکہ ایک ایک لفظ مسندِ معنیٰ پر متمکن ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کی بارگاہ میں جدت اور جدیدیت کو بھی باریاب ہونے کا اذن دیا ہے لیکن یہاں اس کی حیثیت کسی فرمانروا کی نہیں بلکہ ایک خانہ زاد کی ہے۔ان شعری محاسن کا عکس درج ذیل اشعار کے آئینے میں صاف جھلکتا ہے ؎

صبح کے در سے کہیں چاند کی میت اٹھی　　شب کی دہلیز پہ سورج کا کہیں قتل ہوا
آئے یوں تیغ بکف جہل وگماں کے لشکر　　شیخ کا علم، برہمن کا یقین قتل ہوا
فصل خنجر کی اُگی دانۂ گندم کے عوض　　تخم امید جلا، نخل یقیں قتل ہوا

☆☆☆

میرے سائے کو بدن، خواب کو کرارزش چشم　　طفل نازادۂ تخئیل کو انگنائی دے
کاسۂ نطق پہ الفاظ کی ارزانی کر　　کیسۂ فکر کو مضمون کی مہنگائی دے
ریت کی نذر نہ ہو میری شعاع خورشید　　کم سے کم قطرۂ شبنم کی پذیرائی دے

☆☆☆

تو اگر گل ہے تو خوشبو کی بھی ارزانی کر میں صبا ہوں تو کسی دن تجھے چھو کر نکلوں
کسوتِ شاخ میں ہوں دیر سے غلطاں پیچاں پھول بن جاؤں تو خوشبو کے سفر پر نکلوں
سنگ میں بت کی طرح مجھ میں وہ آنکھیں کھولے جسم کی گرد میں دامن سے جھٹک کر نکلوں

اس مضمون میں مضطرؔ مجاز کی شاعری کے معائب ومحاسن کا محاکمہ مقصود نہیں۔ان کے ادبی قد وقامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد کے شعبہ اردو میں ان کی شخصیت اورفن پر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور مقالہ نگار کو پی۔ایچ۔ڈی کی سند تفویض کی جا چکی ہے۔مندرجہ بالا اشعار کا حوالہ محض اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کی روشنی میں مضطرؔ مجاز کی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ان کی منظوم ترجمہ نگاری کا جواز پیش کیا جاسکے۔علاوہ ازیں مضطرؔ مجاز بڑی حد تک اقبالؔ کے ہم خیال اوران کے زمانے کی ادبی،سماجی،سیاسی اور مذہبی صورتِ حال سے آشنا ہیں۔قومی وبین الاقوامی سیاسی تناظر پر ان کی گہری نظر ہے۔اقبالؔ کی طرح خدا نے ان کے سینے میں ملت کے غم میں تڑپنے والا دل اورقوم کی بدحالی پر خون رونے والی آنکھ بخشی ہے۔گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ سے مضطرؔ مجاز بحرِ اقبالیات کی شناوری میں مصروف ہیں۔ اقبالؔ سے ان کی وابستگی کا یہ عالم ہے کہ اقبالؔ کے فارسی واردو اشعار کے حوالے کے بغیر ان کی تحریر یا تقریر مکمل نہیں ہوتی اقبالؔ کے کسی شعر کے ابتدائی دو الفاظ پڑھیئے اوران سے پورا شعر سن لیجئے۔حیدرآباد کے رندان میخانۂ اقبالیات انھیں پیر خمخانۂ اقبالیات سمجھتے ہیں۔مضطرؔ مجاز کی فکر ونظر میں روح اقبالؔ اس حد تک دخول وحلول کر گئی ہے کہ ''من تو شدم تو من شدی'' کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔شہر میں ممکن نہیں کہ اقبالؔ کا ذکر ہو اور مضطرؔ مجاز کا نام نہ لیا جائے۔حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں جنھیں اقبالیات کا گہرا شعور ہے وہ انھیں ماہر اقبالیات کہتے ہیں اور جنھیں بغض للہی ہے وہ انھیں اقبالیہ کہہ کر اپنی شکست خوردہ انا کو تسکین دیتے ہیں۔بہرحال نسبت اقبالی کے سبھی قائل ہیں۔مضطرؔ مجاز نے اقبالؔ کے کلام کے تراجم محض زبان کا ذائقہ بدلنے کے لیے یا ادبی کلاہ میں ایک پر کا اضافہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے ضمیر کی آواز پر کئے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ان کا ضمیر علامہ اقبالؔ کی روح کے سامنے جواب دہ ہے۔مضطرؔ مجاز نے اقبالؔ کے چار فارسی مجموعہ ہائے کلام ''پس چہ باید کرد'' ''ارمغانِ حجاز'' ''جاوید نامہ'' اور ''پیامِ مشرق'' کے مکمل منظوم تراجم کئے ہیں۔اتنا ہی نہیں انھیں ہندوستان میں اقبال کا سب سے پہلا مترجم ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ان کے بعد منورؔ لکھنوی کا ترجمہ سامنے آیا۔ مضطرؔ مجاز کے ترجمے کی ایک اہم خوبی جو دیگر مترجمین سے انھیں منفرد بلکہ ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے تراجم میں حواشی کے ذریعہ اقبالؔ کے کلام میں مذکور فلسفیوں کے نظریات کی بھرپور وضاحت اور اہم کردار اور واقعات کی پوری تاریخ بیان کردی ہے۔ان کے اس عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبالؔ کے عہد اور اسلامی وعالمی ادبیات، مذہبیات اور سیاسیات کی تاریخ پر ان کی نظر کتنی گہری ہے۔اس طرح انھوں نے اقبالؔ کے کلام کے صرف تراجم ہی نہیں کئے ہیں بلکہ ان

کی سیر حاصل تفسیر بھی بیان کر دی ہے۔ اقبال کے مترجمین کی تعداد تو بہت ہے لیکن مضطرؔ مجاز وہ واحد مترجم ہیں جنھیں کلام اقبالؔ کا مفسر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ذیل میں مضطرؔ مجاز کے تراجم کا معروضی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کے لیے کچھ اور مترجمین کرام کے تراجم کے ساتھ ان کے تقابلی مطالعہ کی کوشش کی جاتی ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں اقبالؔ کی ایک نظم'' اشتراکیت وملوکیت'' جو''فلک عطارد'' میں شامل ہے، اس کا پہلا بند یہ ہے۔

صاحب سرمایہ از نسل خلیل
یعنی آن پیغمبر بے جبرئیل
زاں کہ حق وباطل او مضمر است
قلب او مومن دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اند افلاک را
درشکم جویند جان پاک را
رنگ وبو از تن نگیرد جان پاک
جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دین آں پیغمبر حق ناشناس
بر مساوات شکم دارد اساس
تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخ او در دل نہ در آب وگل است

تراجم

صاحبِ سرمایہ وہ پور خلیل یعنی وہ پیغمبر بے جبرئیل
حق وباطل دونوں وہ مضمر رکھے دل سے مومن ہے وہ کافر ذہن ہے
غرب ہے شیدائی دنیائے خاک وہ شکم میں ڈھونڈتا ہے جانِ پاک
جسم سے کب فیض پائے جانِ پاک تن سے رکھتا ہے سروکار اشتراک
منکرِ ذاتِ خدا ہے وہ رسول ہے مساوات شکم اس کا اصول
ہے اخوت کا اگر دل میں قیام کب بھلا رکھتی ہے وہ گل میں قیام
(ظہیر صدیقی)

صاحب سرمایہ دانائے جلیل
یعنی وہ پیغمبر بے جبرئیل
اس کے باطل سے عیاں حق کا چراغ
اس کا دل مومن ہے کافر ہے دماغ
اہلِ مغرب کی نظر ہے سوئے خاک
پیٹ میں وہ ڈھونڈتے ہیں جان پاک
فیض کب لیتی ہے تن سے جان پاک
کام رکھتاہے بدن سے اشتراک
حیف وہ پیغمبر حق ناشناس
پیٹ پر رکھتاہے مذہب کی اساس
جااخوت کی ہمارے دل میں ہے
غم گساری کی صفت کب گِل میں ہے
(انعام اللہ خاں ناصؔر)

صاحب سرمایہ وہ زائیدۂ نسل جلیل
ایک پیغمبر کہ ہے پیغمبر بے جبرئیل
بسکہ باطل میں ہےاس کے حق کا عنصر بھی نہاں
العجب قلب اس کا مومن اور دماغ کافراں
اہل مغرب نے کیا گم وسعت افلاک کو
وہ شکم میں ڈھونڈتے ہیں کار جان پاک کو
کسب رنگ وبونہیں کرتی شکم سے جان پاک
کام کوئی جز بدن رکھتا نہیں ہے اشتراک
دین جو رکھتاہے یہ پیغمبر حق ناشناس
ہے مساوات شکم پر ہی تمام اس کی اساس
ہے اخوت کا مقام الحق درون جان ودل
اس کی جڑ ہے جان ودل میں ماورائے آب وگل
(رفیق خاور)

صاحبِ سرمانہ از نسلِ خلیل
یعنی وہ پیغمبر بے جبرئیل
کیونکہ حق ہے اس کے باطل میں چھپا
مومن اس کا قلب کافر ذہن تھا
غربیوں نے گم کیا افلاک کو
پیٹ میں ڈھونڈیں وہ جان پاک کو
رنگ و بو تن سے نہ پائے جانِ پاک
اور تن پر ہے مدار اشتراک
مذہبِ پیغمبر حق ناشناس
اس کی میزان شکم پر ہے اساس
اصل اخوت کی جو ہے تو دل میں ہے
یہ غلط سمجھا کہ آب و گِل میں ہے
(مضطرؔ مجاز)

اس نظم میں اقبالؔ نے مشہور فلسفی و ماہر اقتصادیات کارل مارکس کے نظریات پر تنقید کی ہے۔اس کے نظریات نے ایک عالم کو گرویدہ بنالیا تھا اور آج بھی دنیا کے کئی ممالک پر اس کے پیروؤں کی حکمرانی قائم ہے۔اس کے نظریات اس کے مقلدین کے لیے عقیدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ علامہ نے اس کو ''پیغمبر بے جبرئیل'' اور ''پیغمبر حق

ناشناس'' کہا ہے۔ اقبالؔ نے ان اشعار میں اس کے کھوکھلے اور روحانیت سے عاری نظریات کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ فاضل مترجمین نے بڑی خوبی کے ساتھ اقبال کے خیالات سے اردو داں طبقے کو واقف کروایا ہے ان کی مساعی جمیلہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی سعی حقیر کی جاتی ہے۔

پہلے شعر میں ایسی کوئی مشکل نہیں ہے جس کا ترجمہ اردو میں کرنا ضروری ہو۔ علاوہ مصرع ثانی کے لفظ ''آں'' کے اور یہ لفظ بھی فارسی الفاظ کے سابقے کی حیثیت سے اردو میں رائج ہے۔ تاہم اس کے ہم وزن اردو لفظ ''وہ'' کو جو اس کا ہم معنی بھی ہے ''مترجمین'' نے ترجمے میں جگہ دی ہے۔ ظہیر صدیقی نے ''نسل خلیل'' کو ''پور خلیل'' کر دیا ہے جو دشوار تر ہو گیا ہے۔ حالانکہ عام فہم اور ہموزن ہونے کی وجہ سے ''نسل'' کو من وعن ترجمے میں رکھا جا سکتا تھا۔ انھوں نے دوسرے شعر کا اچھا ترجمہ کیا ہے۔ تیسرے شعر کے مصرع اولیٰ کے ترجمے میں انھوں نے راست ترجمے پر اپنے خیال کے مطابق تشریح کو ترجیح دی جو قابل اعتراض تو نہیں لیکن اس عمل سے اصل فن پارے کا کثیر الجہاتی حسن متاثر ہوتا ہے۔ چوتھے شعر کے ترجمے میں انھوں نے اقبالؔ کے شعر کا مفہوم بیان کر دیا ہے اور خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ''رنگ و بو'' کے حسن سے ترجمہ خالی ہے۔ علاوہ ازیں دوسرے مصرعے کے ترجمے میں ''اشتراک کوتن کے علاوہ اور کوئی کام نہیں'' والی بات نہیں آسکتی۔ پانچویں شعر کا ترجمہ بھی عمدہ ہے۔ متن کی معمولی سی تبدیلی کے ذریعہ انھوں نے شعر کے مافیہ کو اردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چھٹے شعر کا انھوں نے تفہیمی ترجمہ کر دیا ہے جو اقبالؔ کی فکر کی تو وضاحت کرتا ہے لیکن اقبالؔ کے ڈکشن کے حسن سے محروم ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع نہایت بلیغ اور چست ہے جس کا اردو ترجمہ بمع متن نہایت دشوار ہے لیکن کم از کم ''آب و گل'' کی سمائی اردو میں ممکن نہیں تھی، جو دوسرے مترجمین کے یہاں موجود ہے۔ ظہیر صدیقی نے صرف ''گل'' کو ترجمے میں رکھنے پر اکتفا کیا ہے۔

انعام اللہ خان ناصرؔ نے پہلے شعر کے مصرع اولیٰ کے ترجمے میں ''از نسلِ خلیل' کی جگہ ''دانائے جلیل'' استعمال کیا ہے۔ کارل مارکس کی دانائی سے یہاں بحث نہیں البتہ اس کے ساتھ ''جلیل'' کا لفظ محلِ نظر ہے۔ علاوہ ازیں یہ اقبالؔ کے مافیہ کا ترجمہ نہیں ہے۔ مزید برآں اقبالؔ کی ترکیب ''از نسلِ خلیل'' سے کارل مارکس کی قومیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ معلومات ترجمے میں مفقود ہو گئی ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع اولیٰ کے ترجمے میں قدرے تذبذب کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ حق و باطل کا آپس میں مضمر ہونا (اقبالؔ) اور اس کے باطل سے حق کا سراغ عیاں ہونا (ناصر) قدرے مختلف چیزیں ہیں۔ تیسرے شعر کا ترجمہ عمدہ ہے۔ پہلے مصرعے کا ترجمہ تفہیمی ہے اور دوسرے مصرعے کا ترجمہ متن اور مفہوم دونوں کے لحاظ سے معیاری ہے۔ چوتھے شعر کے ترجمے میں بھی مترجم نے اچھی کامیابی حاصل کی ہے۔ نظم، کے دیگر اشعار کا ترجمہ بھی انھوں نے معیاری کیا ہے البتہ پانچویں شعر کے دوسرے مصرعے کے ترجمے میں انھوں نے آزادانہ روش اختیار کی ہے۔

جس کے نتیجہ میں شعر کافی رواں ہو گیا ہے لیکن اقبالؔ کے ڈکشن کا حسن ضرور متاثر ہوا ہے۔

رفیقؔ خاور نے اقبالؔ کی بحر کو اپنے ترجمے کے لیے تنگ اور ناکافی تصور کیا لہٰذا انھوں نے قدرے طویل بحر کا انتخاب کیا۔ اس کا فطری فائدہ یہ ہوا کہ انھیں مزید کچھ الفاظ استعمال کرنے کی سہولت میسر آ گئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں یہ نقصان بھی ہوا ہے کہ مصرعے کی طوالت کی وجہ سے جھول پیدا ہو گیا ہے۔ اور ان کو پر کرنے کے لیے ایسے بھرتی کے الفاظ بھی استعمال کرنے پڑے جن کے بغیر بھی مفہوم کے لحاظ سے شعر مکمل رہ سکتا تھا۔ چنانچہ پہلے شعر کے مصرع اولیٰ ''زائیدہ'' اور مصرع ثانی میں ''پیغمبر'' کی تکرار مصرعے کی طوالت کا ہی نتیجہ ہے۔ تاہم بہ حیثیت مجموعی ترجمہ اچھا ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کا ترجمہ عمدہ ہے لیکن دوسرے مصرے کے ترجمے میں ''دماغ کافراں'' محل نظر ہے یعنی صیغہ واحد (کارل مارکس) کے لیے صیغہ جمع ''کافراں'' کا استعمال کھٹکتا ہے۔ البتہ اشعار مابعد میں انھوں نے بحر کی طوالت کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور سارے تراجم بہت عمدہ کئے ہیں۔ اقبال کی تراکیب بھی بڑی حد تک ترجمے کے دامن میں سمٹ آئی ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی اس نظم کے سب سے کامیاب مترجم مضطرؔ مجاز ہیں۔ ان کے ترجمے کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اقبالؔ کی بحر میں ان کی ہیئت کو دیگر مترجمین کے مقابلے میں بہ کثرت اور بہتر طریقے سے استعمال کیا ہے۔ اور کچھ اشعار ایسے بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں جو اپنے اندر اعلیٰ تخلیقی شان رکھتے ہیں۔ پہلے، تیسرے اور آخری شعر کے تراجم میں جو معیار انھوں نے قائم کیا ہے اس کی ہمسری کسی مترجم سے نہ ہو سکی۔ باقی ترجمے بھی بہ حیثیت مجموعی اچھے ترجمے کے تقاضے کو پورا کرنے میں کامیاب ہیں۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی کا ترجمہ گو کہ اقبالؔ کے مفہوم کو ادا کرنے میں کامیاب ہے تاہم اس میں وہ چستی اور روانی پیدا نہیں ہو سکی جس کا یہ بلیغ مصرع متقاضی تھا۔

اقبالؔ کی ایک رباعی (یہ چار مصرعے اپنی ہیئت کے لحاظ سے قطعہ ہیں کیونکہ رباعی کے مروجہ وزن میں نہیں ہیں، لیکن اقبالؔ نے انھیں رباعیات کا نام دیا ہے) اور اس کے تراجم ملاحظہ ہو

یقین دانم کہ روزے حضرت او
ترازوئے نہد ایں کاخ و کو را
ازاں ترسم کہ فردائے قیامت
نہ ما را سازگار آید نہ او را

(جبر و اختیار)

تراجم

بالیقیں زندہ کرے گا ایک دن سب کو خدا اور قیامت میں لگائے گا ترازو عدل کا

ہے مگر یہ ڈر مجھے، ہرگز نہ ہوگی سازگار مجھ کو اور خالق کو میرے پرسش روز جزا
(عبدالرحمٰن طارقؔ)

یقیں ہے مجھ کو کہ اک روز حضرتِ والا یہ کاخ وکوکی ترزو اٹھاکے رکھ دیں گے
یہ خوف ہے کہ اگر کل قیامت آجائے نہ ساز آئے گی ہم کو نہ ساز گار اسے
(منورؔ لکھنوی)

ترازوئے قیامت کا خدایا یقین پختہ و کامل ہے مجھ کو
مگر ڈرتا ہوں فردائے قیامت نہ مجھ کو راس آئے گی نہ تجھ کو
(مضطرؔ مجاز)

عبدالرحمٰن طارقؔ نے اس رباعی کی ترجمانی کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے لیکن بحر کی طوالت نے انھیں حشو و زوائد کے استعمال پر مجبور کردیا ہے۔ خصوصاً ابتدائی دونوں مصرعوں میں زائد الفاظ کی کثرت ہے۔ دوسرے مصرعے میں ترازو کے لیے ''لگائے گا'' غیر فصیح ہے۔ تیسرے اور چوتھے مصرعے مفہوم کی ادائیگی کے لحاظ درست ہیں لیکن ان میں تخلیقی چاشنی بہت کم ہے۔

منورؔ لکھنوی نے نسبتاً رواں بحر کا استعمال کیا ہے۔ ان کے پہلے اور دوسرے مصرعے بہت خوبصورت ہیں لیکن وفاداری کی میزان پر پورے نہیں اترتے۔ مصرع اولیٰ فی نفسہٖ درست بلکہ خوب ہے۔ لیکن دوسرے مصرعے میں ''کاخ وکو'' کی ترازو اٹھا کر رکھ دینے'' سے قیامت کے روز میزان عدل قائم ہونے کا مفہوم برآمد نہیں ہوتا جبکہ شاعر کا منشا یہی ہے۔ علاوہ ازیں تیسرے مصرعے میں ''اگر کل قیامت آجائے گی'' سے قبل ''یہ خوف ہے'' کا محلِ استعمال قیامت کے اندیشے کو ظاہر کرتا ہے جبکہ مصرع اولیٰ میں انھوں نے ''یقین'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو اندیشے کی تردید کرتا ہے۔ دراصل خوف قیامت کے آنے کا نہیں ہے بلکہ قیامت کے سازگار ہونے یا نہ ہونے کا ہے۔ لیکن محل استعمال نے یقین کو گمان میں تبدیل کردیا۔ مضطرؔ مجاز نے اس رباعی کا ترجمہ بہت عمدہ کیا ہے۔ چاروں مصرعے آپس میں اس طرح مربوط اور گتھے ہوئے ہیں گویا فکر کے نامیاتی عمل نے انھیں ایک حسین وجمیل پیکر کی شکل میں تراش دیا ہے۔ ایک فرض شناس اور دیانت دار مترجم جہاں شاعر کی فکر اور نفس مضمون کے تئیں وفادار ہوتا ہے وہیں اپنی زبان کے مزاج کا بھی خیال رکھتا ہے۔ جہاں ان دونوں باتوں کا مکمل اور خوشگوار امتزاج ہوتا ہے وہاں ترجمہ رشک تخلیق بن جاتا ہے۔ مضطرؔ مجاز کے ترجمے میں بھی بھرپور آمد اور مکمل تخلیقی شان موجود ہے۔ ایک اور رباعی اور اس کے تراجم دیکھیں۔

فساد عصر حاضر آشکار است

سپہر از زشتی او شرمسار است
اگر پیدا کنی ذوقِ نگاہے
دو صد شیطاں ترا خدمت گذار است
(ابلیس خالی وابلیس ناری)

تراجم

ہے فسادِعصر حاضر ہر بشر پر آشکار زشتی وپستی سے اس کی چرخ بھی ہے شرمسار
بہر حق پیدا کرے گرآج بھی ذوق نگاہ سینکڑوں شیطان بن جائیں ترے خدمت گذار
(عبدالرحمٰن طارقؔ)

عہدموجودہ کا سارا شوروشر ہے آشکار زشت کرداری سے اس کی ہے فلک بھی شرمسار
تو جواپنے آپ سے پیدا کرے ذوقِ نظر آ کے ہوں شیطان دوسو اک ترے خدمت گذار
(منورؔ لکھنوی)

فسادِ عصر حاضر ہے نمایاں کہ ہے خود شرمسار اس سے فلک بھی
اگر ذوقِ نگہ پیدا کرے تو ہزار ابلیس ہیں خدمت میں تیری
(مضطرؔ مجاز)

عبدالرحمٰن طارقؔ نے اس رباعی کے پہلے مصرعے کے ترجمے میں ''ہر بشر'' کا اضافہ کیا ہے جو مستحسن نہیں لیکن یہ طوالت بحر کی مجبوری تھی۔ دوسرے مصرعے میں بھی بحر کی طوالت کے سبب ''پستی'' کا اضافہ کرنا پڑا تاہم یہ روا ہے۔ تیسرے مصرعے کے ترجمے میں ''تو'' کی کمی کھٹکتی ہے۔ چوتھا مصرع درست ہے بہ حیثیت مجموعی یہ ترجمہ اقبالؔ کی فکر کی ترجمانی میں کامیاب ہے۔ منورؔ لکھنوی نے بھی اقبالؔ کی بحر سے گلوخلاصی حاصل کرتے ہوئے جناب طارقؔ کی بحر میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے مصرع اولیٰ میں ''شوروشر'' اقبالؔ کے ''فساد'' کا ہم پلہ نہیں ہے۔ باقی تمام مصرعے بہ حیثیت مجموعی اچھے ہیں۔ منورؔ لکھنوی نے اس رباعی کے ترجمے میں اصل فن پارے کی روح کو سمونے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

مضطرؔ مجاز نے اس رباعی کا بہت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ ان کے ترجمے کا ہر مصرع ڈکشن سے قریب بھی ہے اور حسین ودلکش بھی۔ انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ چاروں مصرعوں کو فکر کی وحدت میں پرودیا ہے۔ چوتھے مصرعے میں انھوں نے ''دوصد'' کا ترجمہ ''ہزار'' کیا ہے۔ لیکن اس سے رباعی کے نفس مضمون کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تعداد فی نفسہٖ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ دراصل شعر میں زور اور اثر انگیزی پیدا کرنے کا ایک وسیلہ ہے اور ترجمہ میں حسن تاثیر اور زرور

وجوش بدرجہ اتم موجود ہے۔غرض یہ کہ ترجمہ اقبالؔ کے خیال کی حدت جلال اور مترجم کے اظہار کی خنکی جمال سے پُر ہے۔ مذکورہ تراجم کا یہ رنگ وآہنگ مضطرؔ مجاز نے تمام تراجم میں قائم رکھا ہے۔انھوں نے ترجمہ نگاری کے عمل میں جس ذہانت، نکتہ رسی اور باریک بینی کا ثبوت دیا ہے اس سے ان کی بھر پور تخلیقی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔انھوں نے ایسے نازک مقامات پر بھی ترجمہ نگاری کے فن کا وقار اور اعتبار قائم رکھا ہے جہاں ذرا سی چوک سے مترجم اپنی ساکھ گنوا بیٹھتا ہے۔مضطرؔ مجاز کے بیشتر تراجم اس امر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ انھوں نے حریم فن کے راز کو پالیا ہے۔ اکثر مواقع پر انھوں نے نہایت مختصر اور چھوٹے لفظوں کے استعمال کے ذریعہ بحر میں مزید الفاظ کھپانے کی گنجائش نکال لی ہے۔ان تراجم کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نرا میکانکی عمل نہیں ہے بلکہ اس کو وجدان کے سائے ہی میں فروغ حاصل ہوتا ہے البتہ ترجمے میں انھوں نے کہیں کہیں بحریں تبدیل کردی ہیں اور سالم بحروں میں ایک آدھ ارکان کا اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے کسی قدر نثری انداز پیدا ہوگیا ہے لیکن اس صورتِ حال کی حیثیت استثنائی ہے ورنہ بحیثیت مجموعی ان کا ترجمہ ایک کامیاب ترجمے کی شرائط پر کھرا اور پورا اترتا ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ترجمے میں انھوں نے ایسے مصرعے بھی نکال لیے ہیں جن میں کوئی مترجم اقبالؔ ان کا حریف نہ بن سکا۔

☆☆☆

آئینۂ تحقیق

کنیز فاطمہ

ریسرچ اسکالر، شعبہ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

پایان نامہ ہائے شعبہ فارسی، دانشگاہ عثمانیہ، حیدرآباد

ایم اے ڈزرٹیشن

نمبر شمار	تحت شمارہ	عنوان	محقق	سنہ
۱	۱۰۰۴	صبح صادق یعنی دیوان غزلیات رومی	غلام دستگیر رشید	۱۹۳۲ء
۲	۱۰۰۷	ابوالفیض فیضی	صفی الدین صوفی	۱۹۳۶ء
۳	۱۰۳۳	زندگی وشعر فارسی	سید علی شاکر	۱۹۳۶ء
۴	۱۰۰۶	غالب زندگی وشعر فارسی	سید اختر حسین	۱۹۳۸ء
۵	۹۹۹	تذکرہ خوش نویسان ونقاشان	زہرہ خانم	۱۹۳۹ء
۶	۱۰۱۰	احوال وتصانیف نعمت خان عالی	سید عباس حسین نقوی	۱۹۴۰ء
۷	۱۰۰۲	زندگی وشعر عرفی	شیخ عبدالصمد	۱۹۴۱ء
۸	۱۰۰۸	خاطرات آزاد بلگرامی	محمد عبدالمنان	۱۹۴۳ء
۹	۱۰۰۳	احوال واشعار حکیم نظامی گنجوی	رضیہ بیگم	۱۹۴۴ء
۱۰	۱۰۰۹	کار وزندگی حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ	احمد ادریس قادری	۱۹۵۴ء
۱۱	۱۰۰۵	چکیدہ ای از زندگی وآثار نورالدین عبد الرحمان جامی	احمد النساء بیگم سوریا	۱۹۴۵ء
۱۲	۱۰۰۰	زندگی وشعر نظیری نیشاپوری	سعیدہ مظہر	۱۹۴۶ء
۱۳	۱۰۰۱	جایگاہ دلیل العارفین	قاضی محمد یوسف الدین	۱۹۴۶ء

ایم فل

نمبر شمار	تحت شمارہ	عنوان	محقق	تحت نظارت	سنہ
۱	۲۴۰۲	پرتو تمدن ایران در حیات دکن	محمد جواد	پرفسور شریف النساء	

۲	۲۴۰۹	زبان فارسی بحیثیت زبان انتظامی درعہدہ آصفجاہیان از ۱۸۹۰ تا ۱۷۲۹	عزرا شاہین	پرفسور شریف النسا انصاری	۱۹۷۸ء
۳	۲۴۰۵	حیات وسوانح چندولعل شاداں	امۃ الخلیق نصرت	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۷۹ء
۴	۲۴۰۴	نقد وبررسی مساء وتحولات شعرامروز ایران درپنجاہ سالہ اخیرہ	محمد جعفر نژاد	پرفسور شریف النسا انصاری	۱۹۸۰ء
۵	۲۴۱۰	زندگی وآثار محمد حجازی	رابعہ بانو	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۸۱ء
۶	۲۴۰۸	حیات وکارمانے شیخ مصطفیٰ گجراتی	ایس اے عالم	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۸۱ء
۷		تصحیح وتحشیہ انتقادی ید بیضا میر غلام علی آزاد بلگرامی	بانو ذکیہ سلطانہ	پرفسور شریف النسا انصاری	۱۹۸۱ء
۸		حیات وکارنامہ نیمہ یوشیج	زرینہ پروین	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۸۵ء
۹	۷۸۳	ارتباط خارجہ ھند باکشورہای آسیا اروپاوآفریقہ از مغل اورنگ زیب منابع اصل فارسی	راحت محمودا	دکتر رفیق فاطمہ	۱۹۸۶ء
۱۰	۲۱۹	تمدن معاشرات وادبیات درعہد نظام شاہی	سیدہ شہناز رضوی	پرفسور شریف النسا انصاری	۱۹۸۹ء
۱۱	۱۳۱۵	مطالعہ انتقادی کتاب ''جوامع الکلم''، ملفوظات خواجہ دکن	خانم اسماء بیگم	دکتر تنویر الدین خدا نمائی	۲۰۰۲ء

پی ایچ ڈی

نمبر شمار	تحت شمارہ	عنوان	محقق	تحت نظارت	سنہ
۱		عروس عرفان	محمد عارف الدین فاروقی	دکتر رفیقہ فاطمہ	۱۹۹۳ء
۲		جایگاہ زبان فارسی تحت میر عثمان علی خان نظام	الطاف النساء بیگم	پرفسور بشیر النساء	۱۹۹۳ء

۳	۸۷۶	ارتقائی اشعار نعتیہ در ادب فارسی	غلام دستگیر رشید	پرفسور قاری کلیم اللہ حسینی	۱۹۵۵ء
۴	۸۸۱	حیات وتصنیفات ابوطالب کلیم ہمدانی	شریف النساء انصاری	پرفسور قاری کلیم اللہ حسینی	۱۹۵۸ء
۵	۱۱۱۱	زبان وادبیات فارسی در دورہ قطب شاہی	نجمہ صدیقہ	پرفسور قاری کلیم اللہ	۱۹۷۳ء
۶	۸۷۴	موسوی خان جرأت حیات ونگارشات	رفیق فاطمہ	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۸۶ء
۷	۸۷۳	نقد وتدوین مکاتیب شاہ عباس صفوی	نجمہ النساء بیگم	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۷۸ء
۸	۸۸۰	زندگی وکارنعمت علی خان	سید عباس حسین نقوی	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۷۸ء
۹	۸۷۸	نقد وتدوین دیوان شرف جہان قزوینی	میر فضل الدین علی	پرفسور شریف النساء	۱۹۸۱ء
۱۰		تصحیح وتحشیہ انتقادی ید بیضا میر غلام علی آزاد بلگرامی	ذکیہ سلطانہ	پرفسور شریف النساء انصاری	۱۹۸۱ء
۱۱	۸۷۹	شرح حال حضرت قطب الاقطاب سلطان العرفان زین الحکما ورائس العلماء سلطان علی شاہ شہید	محمد رضا جوکار	دکتر رضیہ اکبر	۱۹۸۴ء
۱۲	۲۳۱۸	احکام عالمگیری	سیدہ بشیر النساء بیگم	پرفسور شریف النساء	۱۹۸۷ء
۱۳	۲۸۵۴	حمد در شعر فارسی	محمد جواد	پرفسور شریف النساء	۱۹۸۹ء
۱۴	۵۰۸۴	سادات مازندران در جنوب ھند وآثار وخدمات فرہنگی آنان	سید اعظم الحسینی	دکتر زیب النساء بیگم	۱۹۹۹ء
۱۵	۸۷۵	تاثیر غزل فارسی بر اردو	یعقوب عمر	دکتر غلام عمر خان	
۱۶		مطالعہ تطبیقی دفتر دارالانشاء نواب میر نظام علی خان آصفجاہ دوم	زیب النساء حیدر	پرفسور شریف النساء انصاری	۱۳۶۶ھ
۱۷	۴۶۲۴	تصحیح وتحشیہ ومقدمہ ''در نظامی''	سید محمد تنویر الدین	پرفسور یعقوب عمر	۱۹۹۷ء
۱۸		مطالعہ انتقادی فتوح السلاطین	عزیز بانو	پرفسور نجمہ صدیقہ	۱۹۹۹ء
۱۹	۷۲۸۳	مطالعہ انتقادی بر آثار فانی شیرازی دہدار	سیدہ عصمت جہاں	دکتر زیب حیدر	۲۰۰۷ء

☆☆☆

S. No.: 8 ISSN- 2394-5567

DABEER

(An International Peer Reviewed Refereed Quaterly Literary Research Journal For Persian Literature)

VOLUME:- III **ISSUE:- III**

JULY TO SEPTEMBER 2016

Editor:
Ahmad Naved Yasir Azlan Hyder

Address:
Dabeer Hasan Memorial Library ,12, Choudhari, Mohalla, Kakori, Lucknow, U.P., India-226101
Email:- **dabeerpersian@rediffmail.com**
Mob. no:- 09410478973

Founder:- **Professsor Umar Kamaluddin Kakorvi,** LU, Lucknow.

Chief Supervisor:- **Dr. S. M. Asghar Abidi**, AMU, Aligarh.

Supervisor:- **Dr. Anjuman Bano Siddiqui,** Lucknow.

Editorial Board

Professor Syed Hasan Abbas, BHU,

Professor S M A Khursheed, AMU,

Professor Aleem Asharaf Khan, DU,

Dr. Shahid Naukhez Azmi, MANUU,

Dr. Muhammad Aqeel, Persian, BHU,

Dr. Muhammad Qamar Alam, AMU,

Zunnoorain Haider Alavi, Editor Bi-Annual **TASFIYA**, Kakori, Lucknow.

Naqi Abbas Kaifi, Editor Quaterly **NAQD-O-TAHQEEQ**, Delhi.

Arman Ahmad, Editor Quaterly **IRFAN**, Chapra, Bihar.

Co-Editors

Mohammad tauseef, AMU, Aligarh

Atifa Jamal, Lucknow

Munazir Haque, AMU, Aligarh

Muhammad Hasan, AMU.

Muhammahd Anash, AMU, Aligarh

Sarim Abbas, AMU, Aligarh

Asharf Ali, AMU, Aligarh

Rajesh Sarkar, BHU, Varanasi

Mohammad Jafar, JNU, Delhi

Saduddeen, AMU, Aligarh

Review Comiitee

Professor Azarmi Dukht Safavi,

Director IPR, AMU, ALigarh.

Professor Shareef Hussain Qasmi,, Ex-Dean,

F/0 Arts, DU, Delhi,

Professor Mohammad Iqbal Shahid , Dean

F/o Laguages Islamic & Ori. Lear. , GCU, L.

Prof. Abu Musa Muhammad Arif Billah,

Al Biruni Faundation, Dhaka.

Professor Abdul Qadir Jafery,

HOD Arbic & Persian, A. University.

Advisory Board

Professor Ziyauddin Ahmad Shakeb Kakorvi,

Professor Panna Lal, HOD History,AU

Professor Ram Sumer Yadav, Lucknow

Professor Musheer Hussain Siddiqui, LU

Dr. Gulfihsa Khan, AMU

Dr, Ata Khursheed, MA Liberary, AMU

Dr. Pradeep Jain, Allahabad.

Dr.(Ms.) Berna Karagözoglu, Agri Ibrahim Çeçen University, Turkey.

Dr. Iftikhar Ahmad, M A College, Colcata.

Dr. Alam Azmi, KMCUAFU, Lucknow.

Dr. Arshad Qadiri, Lucknow University,

Dr. Sakina Khan, HOD Persian, MU,

Dr. Shahram Sarmadi, Tehran, Iran.

Dr. Prashant Keshavmurthy, Macgill Univ.

Inci Celikel, Anatoliya Univerity, Turky.

Mohammad Faique(Dr.)

Associate Professor, Deptt. Of Arabic, Persian, Urdu & Islamic Studies,

Visva-Bharati, Santiniketan, West Bengal.

IMPACT OF RUMI'S MIRACLE & SUFISM ON M.F. GULEN'S THOUGHT AND PRACTICE

Sufism is the way followed by the Sufis to attain truth; God. While this term conveys the theoretical or philosophical aspect of this pursuit, physical or practical aspect is usually referred to as "being a dervish". (1) Sufism has been defined in many ways. Some take it as God's destroying the individual's ego, will and self-centeredness and then reviving him or her spirituality with the lights of His being. Such a transformation culminates in God's directing the individual's will in accordance with his will. Other think it as a continuous attempt to cleanse one's self of all that is bad or evil in order to attain virtue.

Junayd al-Baghdadi, a famous Sufi, interprets Sufism as a method of recollecting "Self - annihilation in God" and "permanence or subsistence with God". (2) Shibli summarizes it as always being together with God or in his presence, so that no worldly or other aim will even be cherished. Abu Mahammad Jarir explains it as resisting the attraction of the carnal self and bad qualities, and acquiring laudable moralities.

Sufism is also described as seeing behind the "outer" or surface appearance of things and wants and explaining whatever happens in the world in relation to God. It means that people regard every act of God as a window through which they can "perceive" Him lead their lives as a continuous effort to view or "See" Him with a profound spiritual "Seeing" that is indescribable in physical terms and with a profound sense of being observed by Him

continually. All these definitions can be compressed into the following terms. Sufism is the path followed by individuals who, having been able to free themselves from human vices and weaknesses with an aim to acquire angelic qualities and conduct pleasing to God, live according to the requirements of God's knowledge and love and experience the resulting spiritual delight that follows: (3)

Sufism depends on observing even the most petty affairs of the Sharia in order to enter their inner meaning. A newcomer on the path (Salik) never separates the outer observance of the sharia from its inner dimension and therefore fulfills all of the requirements of both the outer and the inner aspects of Islam. After fulfilling all these, this person proceeds toward the goal in utmost humility and submission.

Sufism is such a way that leads to knowledge of God, has nothing to neglect or discard. Those who embrace such a way of life have to strive continuously, like a honeybee flying from the hive to flowers and from flowers to the hive to attain such skill. They should purify their heart from all other attachments; check all carnal inclinations, desires and appetites; and live in a manner revealing the knowledge with which God has revived and illuminated the heart, always ready to welcome divine blessing and inspiration, as well as in strict observance of the Prophet Muhammad's way of life. Being sure that attachment and adherence to God is the greatest merit and honor, the Sufis should renounce his or her own desires for the sake of God, the Truth.

A Sufi must observe all religious obligations, an austere lifestyle and reject the carnal desires. In this way of spiritual self-discipline, his heart is purified and his or her senses and faculties are employed in the way of God which means that the Sufi has mastered the art of living on a spiritual level. As per the history of the Islamic religious sciences, the religious decrees were not written down in the early days of Islam, the practice and oral circulation of decrees related to belief, worship and daily life led the people to store all these to their memory.

Easily all these were written down in later times. Moreover, other religious instructions were also compiled as books of Islamic law and its rules and regulations covering all aspects of life. Traditionists confirmed the Prophetic traditions (Hadiths) and way of life (Sunna), and stored them in written manuscripts. Theologians discussed issues concerning Muslim belief. Interpreters of the Quran devoted themselves to elucidate meaning and also the issues which gave birth to the Quranic sciences, such as naskh (abrogation of a law), inzal (God's sending down the entire Quran at one time), tazil (God's sending down the Quran in parts on differrnt occasions), qirat (quranic recitation), tawil (exegesis), and many others. (4)

Thanks to those scholars whose efforts were universally appreciated in the Muslim world, the canons of Islam were established in such a way that its authenticity is not in doubt. While some scholars were engaged in these "outer" activities, Sufi masters were mainly engaged, on the pure spiritual domain of the Muhammedan Truth. They liked to unveil the essence of humanity's being, the real nature of existence, and the inner dynamics ofhumanity and the universe by calling attention to the reality of that which remains beneath and beyond their outer dimension. Besides the Quranic Commentaries, narrations of Tradition's and deductions of legal scholars, sufi saints invented their ways through asceticism, spirituality and self-purification -in brief, their way of life.

The spiritual life of Islam based on asceticism, regular worship, abstention from all wrongdoings, sincerity and purity of thought, love and yearning, and the individual's admission of his or her weakness and destitution became the main theme of Sufism, a new art possessing its own method, principles, rules and terminology, even though various contradictions gradually emerged among the ranks that were established later, it can be said that the core of this art has always been the life blood of Islam. The two faces of the same truth - the decree of sharia and Sufism have sometimes been presented as mutually incompatible. This is painful, as Sufism is nothing

more than the spirit of the sharia, which is formed of austerity, self control and criticism, and the continuous struggle to resist the allure of Satan and the evil commanding self in order to fulfill religious duties. While clinging to the former has been regarded as exotericism (self-restriction to Islam's outer dimension), following them latter has been seen as pure esotericism. This discrimination comes partly from the declaration that the decrees of sharia are exhibited by legal scholars or muftis and the other by Sufis; it should be taken more as the outcome of the natural, human tendency of attaching priority to that way which is most suitable for an individual way of life.

The legal scholars, traditionists and translators of the Holy Quran produced important book dealing with the diverse themes of Quran and Sunna. The Sufis also compiled books based on the austerity and spiritual struggle against carnal desires and temptations, as well as states and stations of the spirit following methods dating back to the time of the Prophet and his companions. They also noted their own spiritual experiences, love, order and rapture. The aim of such compilation was to draw the attention of those people whom the Sufis thought as having restricted their practice and reflection to the superficial dimension of religion and to lead their attention to the profound dimension of religious life. (5) The Sufis and the scholars alike tried to attain God by obeying the Divine obligation and prohibitions. Yet, some fanatic attitudes occasionally followed on both sides caused disagreements. But there was no genuine disagreement and such discords should not have been considered as disagreements, for they only engaged dealing with different aspects and elements of religion under different names. The scholars liked to concern themselves with the rules of worship and daily life and how to regulate and discipline individual and social life, while the Sufis liked to provide a direction to live at a level of spirituality through self-purification and spiritual achievement, cannot be regarded a dissension.

Sufism and jurisprudence are like the two faculties of the same college or university that aims to teach its students the two aspects of the sharia,

providing them with the know-how to mould their life style. One faculty cannot achieve perfection without the other; one teaches how to pray, achieve purity, fast, give charity, and how to balance all aspects of daily life, the other devotes on what these and other actions really suggest, how to promote each individual to the rank of a universal, perfect being '(al-insan al-Kamil)' - a true human being. So none of the disciplines can be discarded.

Though some Sufis have branded religious scholars as "scholars of ceremonies" and "exoterists", real Sufis have always depended on the fundamentals of the sharia and have developed their thoughts and ideas on the Quran and the sunna. They have drawn their methods from these basic sources of Islam. Al-wasaya wa al-Riaya (the Advices and observation of Rules) by al-Muhasibi, Al-Ta arruf li-Madh hab Ahl al-sufi (A description of the way of the people of Sufism) by Kalabazi, Al- luma (The gleams) by al-tusi, qut al-qulub (The food of Hearts) by Abu Talib Al-Makki and Al-Rasala al-qushayri (The Treatise) by al-qushayri are among the primary sources that discus Sufism following the Quran and the summa. Some of these sources focus on self - control and self-purification, while other concentrate upon various topics of Sufism. (6)

Hujjat al-Islam al-Ghazali author of Ihya Al-Ulum al-Din (Reviving the Religious sciences), then appeared on the scene. He analysed all of Sufi's turms, principles and rules and establishing those supported by all sufi masters and criticizing others, combined the outer (sharia and jurisprudence) and inner (Sufi) dimensions of Islam. Sufi scholars who came after Ghazzali presented Sufism as one of the religious sciences or a dimension there of, establishing unity or agreement among themselves and the so called "Scholars of Ceremonies". (7)

Though Sufism devoted mostly on the individual's inner self and deals with the meaning and effect of the religious orders on one's spirit and heart, so it may be termed as abstract, but it does not oppose any of the Islamic practices derived from Quran and Sunna. Though Sufism is described as the

"Science of esoteric truths or mysteries", or the "Science of humanity's spiritual states and stations" or the "Science of initiation" does not mean it is something different from other religious sciences. It is a distortion to show the viewpoints of Sufis and the thoughts and conclusions of sharia intellectuals as essentially different from each other. Of course, some Sufis were fanatic followers of their own ways, and some religious scholars (i.e. legal scholars, traditionists, and interpreters of Quran) confined themselves to the outer dimension of religion, those who follow and support the middle, straight path always form the majority. So, it is a fallacy to reach to the conclusion that there is a serious disagreement (which probably began with some baseless thoughts and words uttered by some legal scholars and Sufis against each other) between the two factions. (8)

The fundamentals of Sufism is not different from that of jurisprudence. Both branches emphasize the Importance of belief and of dedicating in good deeds and good conduct. The only dissimilarity is that Sufis put more importance on self-purification, deepening the meaning of good deeds and spreading them and achieving higher moral standards so that one's conscience can awaken to the knowledge of God and thus embark upon a new route that leads the required sincerity to follow Islam and earn God's pleasure. The above mentioned virtues help men and women to acquire another nature, "another heart" (a spiritual intellect within the heart), a profound knowledge of God, and another "tongue" with which to invoke God. All these will assist them to observe the sharia directions based on a deeper awareness of and with a mentality for devotion to God. An individual practitioner of Sufism may utilize the above mentioned system to strengthem his or her spirituality. Through the sincere efforts of one's self, solitude or retreat, invocation, self-control and self-criticism, the curtain covering the inner dimension of existence are removed and the individual aquire a strong faith regarding the truth of all Islam as major and minor fundamentals. (9)

Rumi's life span may be divided into three phases: The first begins

with his birth in 1207 and ends at the death of his teacher, Burhan-ud-Din Muhaqqiq in 1240. The second phase begins with the appearance of Shams and ends at the death of his disciple , Salah-ud-Din Zarkob, in 1261. The third and final phase starts in 1261 when he begins the writing of Mathnavi and it comes to an end at his death in 1273. Rumi has no fixed religion but the religion of love which surpasses all barriers of country, creed and colour. He is not the poet of Persia or Rum - he is the bard who chants for the universe - defining that which lies dormant in it, without recognition, without use, and without aim.

What is to be done, O Moslems? For
I do not recognize myself.
I am neither Christian, nor Jew, nor
Gabr, nor Moslem.
I am not of the East, not of the West,
Nor of the land, nor of the sea;
I am not of natures mint, nor of
The circling heavens.
I am not of India, nor of china, nor
Of Bulgaria, nor of Saqsin;
I am not of the Kingdom of Iraqain,
Nor of the country of Khurasan.
My place is the placeless, my trace is the traceless;
This neither body nor soul, for I belong to the soul of the Beloved.
I have put duality, I have seen that the
Two worlds are one;
One I seek, one I know, one I see,
One I call. (10)

From the above verses of Rumi, we realize it that Rumi is for all the human being. He is not obsessed with any particular creed of culture. He searches for the everlasting truth and preaches the message of love. Gulen has

similarity with both ghazzali and Rumi. Ghazzali emerged in the eleventh century when the commonwealth of Islam faced the onslaught of the crusade. Rumi emerged in the thirteenth century when Islam faced the attack of the Mongols. Gulen emerged in the twentieth century when Islam had to face the social, economic and political encroachment of both the capitalists and the communists. It is strange enough that while people prefer to take arms against any attack, Ghazzali, Rumi and Gulen - all the three preached the message of love. They are all successful in their mission. He has put special emphsis on education. He believes that education will enable one individual to realize his own rights and duties. It will help him to become a perfect human being. Gulen does not promote any sufi order, then what should be the denomination of his followers? What keeps his follower together? Normally they are termed as Gulen community. (11)

The ties that bind the people of Gulen's community are books, cassettes, journals and educational institution. Nursi's interpretations of the Quran and Gulen's writings and video cassettes form the main sources of the community's trainings. These trainings and the Quran are the main connective links between individuals of this community, but Gulen's spiritual influence on those who meet with him also make a very important tie that keeps them together.

The people of the Gulen community like to become active participants in their society and to do public services by establishing schools and hospitals. The community's interest for establishing secular schools for both the Muslims and the non-Muslims, specifically schools serving people of all faiths and nationalities, is rare among the Sufis. Instead of being isolated from the society, they try to adjust their spiritual life with their worldly one, following Gulen's advice.

Gulen's way of Sufism cannot be confined within the framework of a specific sufi order. However he advises his followers to take part in community welfare. He has strong presence in the heart of millions of people.

Their strong support, dedication and obligation exhibit the potency of his spiritual presence. Posterity will realize his greatness. Strictly speaking, Gulen is not a Sufi in the true sense of the term. But, he is a Sufi in practice. The companions of the Prophet (PBUH) and their successors were also real Sufis, although they were not entitled as Sufis. Gulen is an optimist. He always hopes for the revival of mankind. This revival is one that will protect the purity of religion and fulfill the needs of all classes of people and embrace all that is perfect in life in every time and in every place.

It is suggested that the concept of humanity, life and the Universe should be built up from a humanitarian point of view and it is the obligation of every human being who have pushed aside all moral codes should renew it in full strength. Those who embark on this mission and help to, implement a universal change should be a new type of people. They are termed as "the inheritors of the Earth", and they are such people who reflect the spirit of true guidance. Gulen believes that the process of renewal has already begun. It can be realized when an entire nation or a group of people or a particular community return to the spirit of true guidance. The malady that saps our society is passion, laziness, self-conceit, selfishness, covetousness and narrow-mindedness etc. Its remedy will be self-satisfaction, vigour, humility, philanthropy, wisdom and modesty. Easily, we may reach to the conclusion that we should achieve perfection in our moral attitude.

This renaissance or resurrection can be achieved by those people who share the same moral attitude and reviving spirit. In this way, human being will take hold of its long - lost trust again and transform the whole world into an abode of peace and happiness. Gulen is an optimist who feels that human being will bear fire of a revival deep inside and he himself likes to be connected with them. It is noticed that the central theme of Gulen's writings is an encouragement for self - improvement of his followers and also for the whole of mankind. Gulen believes that the Muslims must be aware of the promise made to them. He repeatedly quotes the promise made by God to

them. "and verily we have written in the scripture, after the Reminder : My righteous slaves will inherit the earth"; XXI - 105 (12)

Gulen follows the great poet Rumi by urging us not to ignore the doctrine of causes, not to spend time aimlessly waiting for God's favour, but rather we should press into service our utmost potentialities to transform this turbulent world into the abode of peace and justice, in accordance with the 'Divine Decree'. Like Rumi Gulen also feels that our willing submission to the will of God may ensure true freedom for us and this submission can free us from slavery to meaningless and ultimately destructive whim, fancy, folly and enticement. He suggests the path to freedom and eternal life, by informing us the sermons which can be applied in our daily lives and he urges us frequently, that we should follow the straight path in our own free will.

Gulen's work is a ceaseless encouragement 'to greater effort, greater knowledge, greater self control and restraint'. He believes that these qualities will help us to attain reward from God. He tells us of the value of patience and the significance the Holy Quran attaches on patience and endurance. He never supports the use of force to attain political gain. "The days of getting things done by brute force are over, …… ……. In todays enlightened world the only way to get others to accept your ideas is by persuasion and convincing argument. Those who use brute force to reach their goals are intellectually bankrupt". (13)

During the last half-century, the Gulen movement has been the powerful driving force in the social, economic and political scenarios of Turkey. It has built up by some estimates over five hundred schools, a university, publishing and television outlets and a growing network of institutions throughout the world devoted to interfaith dialogue and the promotion of peace. The movement gets impetus from the life-styles and, writings of M. Fethullah Gulen. Gulen's interpretation of Islam defies easy categorization and he takes step to integrate the indigenous Sufism of Turkey and specially the teaching of Rumi, with a strong emphasis on puritan Islamic

belief and practice.

Gulen is actually a scholar who had not the intention to establish a Sufi order; rather, he liked to revive and combine the teachings of Prophet Muhammad(PBUH) and his Companions, the asceticism of the early Sufis and the essentials of the Sufi order and the premeditation of the later generation Sufis. In a critical juncture of time when the gap between Sufis and their opponent, the salafis is widening, Gulen likes to re-establish Sufism on the, basis of the Quran and Sunna. Gulen's main contribution to Sufism is his emphasis on the practical approach of Islam. In Gulen's sufi terminology, the passivism, asceticism and private focus on the spiritual world under the instruction of the spiritual guide of the early Sufi order are replaced with righteousness of an individual through continuous struggle and activity within the framework of society according to the guidelines of Quran and Sunnah. This particular method offers a new equilibrium within the Muslim community and develops a peaceful and liberal understanding of Muslims to live in peace with other communities.

In his writings regarding Sufism, Gulen does not like to create a new order of Sufism, nor does he formulate a new definition to concepts already confirmed by earlier Sufi scholars. He only highlights the activities of certain scholars to exhibit a reasonable and practical approach of Sufism to human being. Gulen attaches special significance on following the Quran and Sunnah to realize and practice Sufism. In all of his writings he quotes from Quran and Hadith to corroborate his view point. He insists on taking the Quran and Sunnah as the only criteria for determining the validity of any decree. According to Gulen, a clear idea of the Quran and Sunnah is essential for any achievement on the Sufi path. He considers the Quran as the ultimate guide of the wayfarer in the spiritual domain.

Another characteristic of Gulen's attitude towards Sufism is his tolerance on issues heavily criticized by other groups of Muslims. In particular, salafis and wahhabis blame Sufism for its apparent deviations from

the main tenets of Islam. The incorrect utterances of Sufis in ecstatic level are intolerable for such Muslims. AL - Jawziyya, a famous exponent of Sufism, Severely criticized the supporters of "unity of Being" and even branded them as infidel. AL - Jawziyya was a disciple of Ibn Taymiyya who is called the father of salafiyya, and he did not show any toleration for any alteration of the Quranic principles. But Gulen showed lenience towards such errors when those were "Consequences of mystical ecstasy". (14)

Gulen's most valuable contribution to Sufism is his emphasis on activism (action). For Gulen activism (action) is as essential as belief and belief may be fulfilled when it will be supported with action. Action is an integral aspect of Sufism, and people who are willing to lead their lives as per the tenets of Sufism should be actively associated with the community, feel the Sentiments of others, work hard to help others and establish peace in the society. In his writing on "cile" (suffering), Gulen gives the details of the activities of earlier Sufi scholars, that is the dervish's time of retirement and abstention of all worldly affairs, and starving which lasts forty days. Gulen gives a fine detail of his realization. For those who come after the Prophets, Suffering is, instead of preoccupation with worship and repetition of God's Names in isolation, and deserting the easy life-style for the sake of anguish, seeking only God's good pleasure and consent, always in the sense of God's company at the time of his or her presence among people, stimulating in hearts enthusiasm for praying to God with sincere devotion, feelings and thoughts exhibiting Islam in daily life in its perfection, arousing righteousness in others and by kindling in others the desire to believe. It is the mode of life exhibited by 'the companions of the Prophet'.(15)

In one of his recent writings, Gulen says regarding qabd and bast (strain or spiritual pressure and spiritual expansion or relief) and he closes the chapter by saying. "Today there is need for people who are sensitive enough to be burnt with the fire that falls anywhere in the world. There is need for people who will feel fire in their hearts about an oppressed child in some

forgotten part of the world". (16) Thus, Gulen does not mean Sufism as the way of life of an ascetic living in a lonely place. An ideal Sufi, according to Gulen, should live in human society and lead a virtuous life; they should try to achieve salvation by performing the tenets of Islam in its perfection.

At the end, we may say, Gulen's way of Sufism attaches much importance on the central role of Quran and Sunnah, that envisages a tolerant and non-rigid style and religious activism. This particular approach may influence other Muslims to revise their conception regarding Sufism. Simultaneously, Gulen's new style of Sufism revitalizes dialogue between Muslims and non- Muslims. The Sufi realization that Gulen develops, help individuals to be influenced by spirituality while he continues to remain an active member of modern social life. Thus Gulen leads the life of an ascetic, guides his community to the way of the Prophet and his companions, and builds up the framework of a superstructure of spirituality. Gulen never calls himself a Sufi, one is not a Sufi in name, but in heart and spirit. As Rumi says, "what makes the Sufi? Purity of heart, not the patched mantle and the perverse lust of those - earth - bound men who steal his name. He in all things. discerns the pure essence". (17) Gulen realizes that one may be annihilated in the rays of the existence of the Truth by knowing one's own incompetence in presence of 'The supreme Being'.

References:

1. Toward A Global Civilisation Of Love & Tolerance, M. Fethullah Gulen, P - 164
2. Ibid, P - 164 -
3. Ibid, P - 164 -
4. Key Concepts In The Practice Of Sufism, M. Fethullah Gulen, The Fountain, P - Xvii -
5. Ibid, P - XIX -
6. Ibid, P - XX -
7. Ibid, P - XX -
8. Ibid, P - XXI -
9. Ibid, P - XXII -
10. Ibid, P - 140 --
11. Turkish Islam And The Secular State, M. Hakan Yavuz And John L. Esposito P - 168 -
12. The Holy Quran, XXII - 105, M . M. Pickthall ---
13. Ibid, P - XVI --
14. Muslim Citizens Of The Globalized World, Robert A. Hunt And Yukesel, A. Aslandogan, P - 191 -
15. Ibid, P - 192 --
16. Ibid, P - 192 --
17. Turkish Islam And The Secular State, M. Hakan Yavvz, John L. Esposito, P - 168

Hifjul Hussain Choudhury

Research Scholar, Dept. of Persian,

Gauhati University, Guwahati, assam, India

Ethics and Sheikh Abdul Qadir Gilani

Ethics concerns with matters relating to human behavior and good conduct of a man. Ethics is very essential to build up an atmosphere of amity and fraternity among people and peace and tranquility in the society. The world of today is facing challenges of disintegrate and enmity among people and crying for peace and amity in the society. So, this article under caption 'Ethics and Sheikh Abdul Qadir Gilani' deserves justification and pertinence.

'Ethics is the science of character and conduct. It evaluates the voluntary actions and habitual actions of persons and considers their rightness and wrongness. It also evaluates the character of persons and considers it virtuousness and viciousness. Thus ethics is the science of rightness and wrongness of conduct. Conduct is purposive action which involves choice and will. It is the expression of character which is a settled habit of will. The will is the self in action. So, ethics is the science of human character as expressed in right or wrong conduct'. Ethics deals with those standards that prescribe what man ought to do. It also addresses virtues, duties and attitudes of the individual and the society. In additions ethics is related to customs, traditions as well as beliefs and world views.

The Arabic term 'Akhlaq' is the plural form of 'khuluq' and is translated in to English as 'ethics' and as such 'Akhlaq -e- Islamia' means Islamic ethics. ' Akhlaq-e-Islamia' or Islamic ethics has been conceived and shaped eventually as a successful assimilation and amalgamation of the Quranic teaching, the teachings of Sunnah of Mohammed,(PBOH) the precedents of Islamic jurists,

the pre-Islamic Arabian traditions and non-Arabic elements embedded in or integrated with a generally Islamic structure. Although Prophet Mohammed's (PBOH) preaching has produced a radical change in moral values based on sanctions of the new religion, the prevalent religion and the fear in God, the last Judgment, but the tribal practice of Arab has not been die out completely. Later the Muslim scholars have expanded the religious ethics of the Quran and Hadith in immense detail.

The connotation of the English term 'ethics' is as same as that of the term 'akhlaq' in Arabic and 'ethics' literally denotes character, custom, habit, behavior, human conducts or attitude, while on the other hand, the Latin word mores is the root of morality and is almost synonymous to it. The holy Quran and the holy traditions of Prophet are the principal sources of Islamic ethics and the holy Quran declares about the prophet's standard of character saying, 'Surely you are on the highest moral or ethical standard'. The word 'khuluq' comes two times in the holy Quran. According to the Muslim exegetes the word 'khuluqul Awwalin' as mentioned in the holy Quran means 'their ancient customs and it includes religion, character, ideology or doctrines'. Another Arabic word which is prevalent widely and employed as a literally interchangeable to 'akhlaq' is 'Adab'. Adab means 'manner, attitude behavior' and the etiquette of putting things in their proper place. Ethics denotes what 'akhlaq' expresses through its implication in the life of a person in respect of his conducts knowing the rightness or wrongness of a particular idea of action.

'Akhlaq-e- Islami or Islamic ethics is assumed as a disposition which develops in man internally as well as externally; ethics is not just a private or personal affair but it is also interpersonal as well as social matter. One hand, Islamic ethics enjoins 'tajkiya al nafs' that is self purification which is , no doubt, a continuous process of intellectual and spiritual enhancement of human psyche while on the other hand, Islamic ethics requires the individual to improve his or her relation with other members of the community of human

society and the other creatures of Allah in general. In this respect the personality of a Muslim should make and uphold him a well-liked and respected person. A person is only well-liked and respected if he behaves well, and is polite and gracious, respectful of all and considerate to others. Thus a Muslim is to be advised among others to be friendly, forgiving, affectionate, compassionate, and generous and helpful and also to be inclined towards chivalry and gallantry, to give rather than to take, to sacrifice rather than to grab, to make way for others, need to say kind motivating words, to be humane to one and the all.

In religious view of Islam, the Quran as a principal source lays the foundation of ethical concepts and standards and the Sunnah, the way of the life of the prophet with his narrations and actions, contains the actual practices of such concept. For example, in chapter 68 of the holy Quran, verse no 4, the holy Quran states that 'Surely, You (Prophet Mohammed) are on the highest moral or ethical standard', that means He (prophet) was really granted a nature and character far above the shafts of grief or suffering, slander or persecution. When Aiyesha (r, a), the spouse of the prophet was asked about the personality and character of the prophet, she replied, 'it was a reflection of the noble Quran', that means the moral code of conducts which the holy Quran proclaims are in to found in the life of the prophet. As the Islamic ethical concepts which are taught by the holy Quran are embodied in the way of life of the prophet and demonstrated by prophet himself and both the Quran and Sunnah are the source of the Islamic ethics, so, various Quranic verses and numbers of Prophetic narrations provide a code of ethics and morality which covers the dimensions of human behavior, a few of which are discussed as follows.

It is to be stated at the beginning that according to the holy Quran, belief in Allah the exalted, humility, better communications and continuation of good deeds are the foundations of good moral character. The holy Quran states that the best person as a true believer is the person who upholds these

moral foundations in faith and action and invites others to practice these values. The holy Quran says;

'Who can be better in religion than one who submits his whole self to Allah, does well, and follows the way of Abraham, the true in faith? For Allah did take Abraham for a friend'. (The Quran, 4:125)

'Who is better in speech than one calls (men) to Allah, works righteousness and says 'I am of those who bows in Islam'. (The Quran, 41:33)

Moreover , the holy Quran associates good morality with amicable, compassionate, clean and fair behavior towards fellow individuals who are day-to-day companion like parents, kinsfolk, orphans, those who are in need, neighbors, while there is no place for arrogance and vainglory in the Islamic moral society.

'Serve Allah, and join not any partner with Him, and do good to parents, kinfolk, orphan, those in need, neighbor who are near, neighbors who are stranger, the companion by your side, the wayfarer and what your right hands posses; For Allah loves not the arrogant, the vainglorious'. (The Quran, 4:36)

Similarly truthful behavior of a person in his speech and actions is the prescription of the holy Quran. Because truthful actions and sincerity of a person in his behavior improves his condition and illuminates his heart.

'O ye who believe, fear Allah and (always) say a word directed to the right, that he may make your conduct whole and sound and forgive you your sins. He, that obeys Allah and His Messenger, has already attained the highest achievement'. (The Quran; 33:70-71)

In another chapter, it is prescribed in the holy Quran that the moral duty of a person is to authenticate the received reports, information and narrations least he should not be blamed or evoked for any wrong information. The intellectual attitude of classification, verification, investigation and scrutiny of given information is a part of the moral duty of every man and woman in their every walk of life.

'O ye, who believe! If a wicked person comes to you with any news, ascertain the truth, lest ye harm people unwittingly and afterwards become full of repentance for what ye have done'. (The holy Quran; 49:6)

Our Prophet Mohammed (PBOH) was sent as the messenger having the highest moral standard of character as shown earlier in the holy Quran declared it. He also proclaims and mentions in one of his narration that the aim of his mission is to complete the good ethical standard and good morals. For the prophet was sent in this world to upgrade and inculcate better moral values taught by all preceding prophets, religion of Islam aims to uphold the perfect good universal values of human conducts. As such the entire sanctions of the laws of religion of Islam aims to serve good morality. The Prophet said, 'I have been sent only for the purpose of upholding perfect good morals. Moreover, at a time of the elegant Prophet was asked by one of his followers as who are those whom Allah loves the most.' The Prophet (PBOH) replied, "those who posses good morals." On another occasion at a time the elegant Prophet taught his companions to avoid indecency and immoral conducts and stated that,' the best amongst you are those who are the owners of the best morality'.

There are some lucky people whom Almighty Allah grants acceptance and seats them on the station of sainthood. As it is mentioned in the Holy Quran:

'Allah chooses whom He pleases (for exclusive nearness) in His presence, and shows the path to (come) towards Himself to everyone who turns (towards Allah) heartily.'

One and the greatest among those people whom Almighty Allah has honored with His grace is Ghaus-ul-Azam Sheikh 'Abdul Qadir Gilani (May Allah be well pleased with him), who was born in Naif in the district of Gilan in Northern Iran which is near Baghdad (Iraq) south of the Caspian Sea on 29th Sha'aban 470 Hijri or 1077 A.D. and died on 19th of Rab'i uth Thani in 561 A.H. or 1166 A.D. and was entombed in a shrine within his Madrassa in

Baghdad, Iraq. It is also said that he is the tenth descendent of Hazrat Hasan ibn Ali. The Sheikh was a sayyed by birth. His father was a Hasani and mother was a Husaini by clan.

Sheikh Gilani had more than 99 titles, the chief and the best known are - 'Pir-e-Piran' (chief of the Saints), Pir-e-Dastgir (Saint of helper), Ghaus-ul-Azam (Great Refuge), Mahbub-e-Subhani (Beloved of God) and Muhi-ud Din (River of the Religion), Al-Hassani-wal-Hussaini."

Sheikh Abdul Qadir Gilani spent his early life in his native village with his mother and a brother as his father died earlier, so he was an orphan at that time. Then he was cared after by his maternal grandfather Sayyed Abdullah Suma'i, who was a pious and saintly person. He was a boy of quite nature and never engaged himself in playing with his partners because his nature was always declined to any kind of playing and other funs. 'From his boyhood, Sheikh Abdul Qadir Gilani was very calm, quiet, thoughtful and a keen seeker of knowledge. In his childhood he studied Arabic and Persian in the local madrasa. When he was 18, he went to Baghd?d and studied the Quran, Hadith, fiqh, theology, logic, history and philosophy.'

At Baghdad soon he showed his genius as an excellent student by dint of his sharp memory and deep understanding. But he was more attracted to the spiritual side of learning, and Sufism made its full impact on him. In this way he got very closely acquainted with the famous Sufi of Baghd?d, Ab? Khair Hamad al-Dabbas [d.1131]. From him he received his basic training and with his help he set out on the spiritual journey. Later on, 'according to the Will of Almighty Allah, he became the mureed of Sheikh Abu Sayyed Makhzoomi who showed much love and attention to this unique disciple and blessed him with gems of spiritualism and mysticism.

He dedicated himself to attaining the depths of Sufism by his constant devotion and association with the Sufis. After his studies were over, he eschewed the life of a legal professor and instead and preferred to live in loneliness away from the public, and to meditate on his Lord. He took on a

strict and rigorous life of abstinence and austerity and used to spend his nights in prayer and meditation. He would complete one reading of the Qur'an, almost every night, by keeping himself awake; and it is said that with one wuzu' (ablution) he used to say the Isha' (night) and Fajar (morning) prayers. Then he left Baghdad and went to a lonely desert where he spent 25 years in meditation and self-purification as a wanderer or as a recluse. At that time he had the look of an ascetic, unworldly man. The goal of this long course of Sufi self-purification was to know his Lord and he was successful in his quest.

He was over fifty years old by the time he returned to Baghdad, in A.H. 521/1127 A.D., and began to preach in public the message of Islam. His hearers were profoundly affected by the style and content of his lectures and his reputation grew and spread through all sections of society. He moved into the school [madrasa] belonging to his old teacher al-Mukhzoomi, but the premises eventually proved inadequate.

In A.H. 528, pious donations were applied to the construction of a residence and guesthouse [ribaat], capable of housing the Sheikh and his large family, as well as providing accommodation for his pupils and space for those who came from far and wide to attend his regular sessions [majalis].

After completing his all kind of education at the age of 51 years, Sheikh Abdul Qadir Gilani married. In the book "Bahezatul Asrar", Sheikh Shahab Uddin Saharwardi (May Allah showers His mercy on him) says: Some virtuous people asked Hazrat Ghaus-ul-Azam (May Allah showers His mercy on him) as to why did he marry? He said: I had not married until the Holy Prophet (Sallallahu Alaihi wa Sallam) had not ordered me to marry. Like other rewards, Allah, the Most High has also rewarded Hazrat Ghous-ul-A'zam (May Allah be well pleased with him) with abundance of progeny. His son Hazrat 'Abdur Razzaq (May Allah showers His mercy on him) says: My father had 27 sons and 22 daughters.

Khwaja Abdul Qadir Gilani was the founder of the Silsila-e-Qadiriyya. So, it was named as the Silsila-e-Qadiriyya. His teaching and instruction were

carried by his disciples all over Iraq. He strongly condemned a materialistic life on his contemporaries and urged them to develop a balanced personality by adhering to both their material and spiritual life. He believed that a Jihad fought against self is far superior to that waged with the foe. For the Sheikh, a perfect sufi is he who sincerely observes the Law of Religion (Sharia't) and follows the Traditions of our holy Prophet (Hadith). The Sheikh summarizes the mystical qualities to be acquired by the saints: "Three things are essential for every believer in God. First, to submit to God's decree, second, to safeguard from that which is forbidden (in Law) and third, to remain satisfied with Fate." The Sheikh 'had highly persuasive way of encouraging people to distance themselves from obsessions with material things and to turn instead to matters of the spirit. Having awakened the spiritual side of their nature, he dedicated himself to instilling in them a profound reverence for moral and spiritual values'. The Qadiriyya order found followers in the numerous parts of Islam and its influence is widespread in the present day.

According to the Sheikh, 'Fiqh' and 'Tasawwuf' are complementary to each other and while dealing with both the subject he brought Islamic mystics and jurists of Islamic jurisprudence together in the same platform. He was always careful to keep in his view the legality of Islamic jurisprudence as and when he used to discuss elaborately on mysticism and when he used to explain principles of Islamic law he emphasized on their spiritual implications. Mystic striving of the Sheikh were 'designed to meet the challenges of the era in which he lived; the decline in both Muslim political power and Muslim morals vitiated social structures, while spiritual life was eclipsed by material obsessions'.

Though a total of twenty four numbers of manuscripts as ascribed to Sheikh Abdul Qadir Gilani, have been enlisted by different writers who made research on him, but there are very important three works of worth mentioning handed down to us easily. It is very essential to study these treatises as left behind by the Sheikh if real interpretations of his teachings by the later

generations are to be taken in consideration and put in the correct perspective. The most important works left by the Sheikh is 'Al-Ghuniah-al-talibi lil-tariq-ila-al-Haqq' which contains his sole views on ethics and religious rituals of Islam. This work contains exhaustive views on Islamic ethics of the Sheikh as prescribed by Islam to be followed by its followers in their every walk of life. 'Al-Ghuniah' a great accomplishment of the Sheikh is a source to get familiar with the detail account of his opinion in regards of his spiritual understandings and his ethical and moral views.

The Sheikh had personal deep ideology of a sincere devotee towards Islamic ethical science and he had vividly expressed what he had an ideal notion about the same as per the request of his followers and students. His mystical and religious ethical idea are presented in his world famous works like 'Al-Ghuniah'.

This book is an encyclopedia of Islamic faith, mode of life and etiquettes. Many topics like Shariah rulings for personal and social life, the reality of faith, the explanation of soul (Ruh) and heart (Qalb), the exhortation to avoid major and minor sins, the 12 months of the year and the special acts of worship of them, then topics like poverty (Faqr), striving against the lower self (Mujahada), trust in Allah Most High (Tawakkal), thankfulness to Allah Most High (Shukr), patience (Sabr), etc. are covered in detail. Sheikh Abdul Qadir Gilani wrote this book on detailed account of his religious views, at the request of his followers and friends. 'It is a comprehensive work on both Islamic Law and mystical thought. This book was translated into Persian Abd-al Hakim Sialkoti (d. 108A.H.)'. 'For the guidance of those people who desired to lead a pios life, the Sheikh laid down ten principles in this book, these are-(1) Refrain from ill speaking of those who are not present. (2) Refrain from unduly suspicious of others. (3) Avoid gossip and malicious asides. (4) Abstain from looking towards prohibited matters. (5) Tell the truth always. (6) Always be grateful to Allah. (7) Spend money for those who are needy. (8) Abstain from running after worldly power and position. (9) Be

regular in performing the five time daily prayers. (10) to be adhere to 'Sunnah' and be co-operative to every Muslims'.

A person to be a pious should follow the spiritual discipline as well as the worldly ethical and moral obligations as laid down by Islam. The deliberations of the Sheikh in this book on faith, prayer, charity, fasting and hajj pilgrimage everything of the obligatory rituals of Islam are discussed elaborately which followed by an analysis of moral and ethical behavior of a person to be observed in daily life. It was in the context of the faith and devotion to Allah as well as interaction with his fellow persons that the Sheikh set forth his ideas on religious and Islamic ethics.

Different aspects of Islamic ethics and Islamic moral teachings have been found consulted and inserted in the book named 'Al-Ghuniah' accomplished by Sheikh Abdul Qadir Gilani. The following are the matters relating to Islamic ethics as referred to by the Sheikh in his works and are discussed under some captions.

(a)'Command for good and forbid from evil' :

The basis of all Islamic ethical performances is founded on the notion that every human being is called 'to command for good and to forbid from evils' in every sphere of life as proclaimed by the Quran. The Sheikh initiated his discussion on this subject expressing his views quoting a verse from the Quran, 'you are the best of peoples evolved from mankind enjoining what is right and forbidding what is wrong and believing in Allah'. That means you have been created for the benefit of the people of the world that you would command for good those which are as per the Shariah and forbid from the activities which are against the Shariah and then your belief is in Allah is justified. By 'command for good' the Sheikh referrers to those actions behind which there is sanction in the Holy Quran to follow and in the holy traditions of the Prophet to perform and those which are considered as good as per our wisdom under the shadow of both Hadith and the Quran and by 'forbid from evil' the Sheikh referrers to those actions which are against laws of the Quran

and the Hadith and in common sense of human beings as evil. This ethical teaching has two dimensions of activities- one is 'to command for good' and it is to be done by those who have the moral capacity to do so because without having own practice for the act there will be no influence for such command.

Another is 'to forbid from evil' and the Sheikh under support of this views refers to a Hadith of the holy Propter (PBUH) as saying, 'one who sees a person doing a wrong, he should forbid him by his hand (by applying force possible), if he is unable to do so, he should forbid him by tongue, if he cannot do so he should keep a state of disgust in his mind and that is an example of the weakest belief (Iman). As per this Hadith there are three type of people who have gained the capacity to do this type of moral and ethical activities- one are those rulers or kings who have the capacity to apply force to forbid from the evil- the second who can forbid people from evil are the Ulemas, the Islamic scholars though their advise and sermons and the third are the common people who can maintain a state of disgust towards evildoers.

The Sheikh laid down some conditions for the act of 'command for good and forbid from evil' which he elaborately narrated in his work 'Al-Ghuniah' and these as follows:

(i) The person who forbids from evil should be aware of the fact that the matter from which he is going to prevent should be forbidden as per the Shariah and social norms.

(ii) The intention behind his work of forbid from evil should be sincere, pure, to secure the pleasure of Allah, to strengthen the foundation of Islam and to preach Islamic values and should be devoid of any personal gain or fame.

(iii) The act of forbid from evil should be sincere with mildness, softness and with leniency without using any kind of rude language or haughtiness because in the holy Quran and the holy Hadith in several occasion it is encouraged to use softness and leniency while giving sermons to others.

(iv) While going to command for good and forbid from evil, the person should be personally tolerate, patient, and humble having soft disposition and

lenient nature towards others. Therefore he may be made guide and leader by other people and he will be listened to by others.

(v) While going to command for good or advice for an action of piety to others the person should be a man of piety having good nature and the practice of the person who forbids others from evils should be of beyond question according the norms of the Shariat about which he is going to forbid from prohibited deeds.

(b) 'Ethics of inter-person behavior in Islam':

The Sheikh in his famous work 'Al-Ghuniah' narrates some moral and ethical teaching of Islam which is to be observed by every individual Muslims in their inter-personal behavior in the society. A Muslim should follow some rituals which are though not so essential obligatory as prayer and fasting etc, but these are considered as standard of a Muslim society. Following is a discussion on some moral and ethical ritual of Islam to be observed as inter-personal behavior of a Muslim in the society.

i)'Salam' :

It is an Islamic ritual of bowing acquaintance to greet a person at the time of first meet with him. 'Salam', the Islamic greeting, is nothing but a prayer seeking piece among the individuals of a society in form of 'As-salamu Alaikum' and like so, means 'piece be on you'. It is an action of prophetic tradition called 'Sunnat' a non-obligatory ritual of Islam to be observed by every individual of a Muslim society at any circumstances other than stated prohibited. Every individual of Muslim society should pay 'Salam' to others as sanctioned in the Shariah as per system irrespective of their status, age and knowledge and irrespective of their gender. Of course, a male individual cannot pay 'Salam' to unknown and to young female.

But a reply to that 'Salam' is must and obligatory as per the Shariah. The Sheikh forwarded various quotations from the traditions of holy Prophet in support of his views about 'Salam' and its virtues.

The ritual of 'Salam' is to be performed through a certain system, - a

coming person should pay 'Salam' to a person or persons sitting and a person in conveyance should pay 'Salam' to persons in sitting or standing positions, - a person of junior status in age and knowledge should pay 'Salam' to senior and learned persons- an individual or little group of person should pay 'Salam' to a group or a bigger group of persons.

On the eve of leaving a meeting a person should pay 'Salam' to other members. Persons involved in anti-religious activities like wine-drinking, gambling etc. should not be paid 'Salam'. A Muslim can remain no longer than three days away from paying 'Salam' to his known friend, relative and neighbor because it is taken seriously as anti-Islamic among Muslims as per the Shariat.

(ii)'Musafaha' :

It means to shake hand and is a ritual of Islamic ethics and morality of inter-person behavior. It is a prevalent convention among Muslim to shake hand after paying 'Salam' which is considered as a special virtue. According to the Sheikh, a person should not take off his hand until the other person does not leave it.

iii)'Ta'azeem' :

It is an ethics of inter-person behavior among Muslims in the society to show a standing obeisance to a great person at the time of his arrival which is called 'Ta'azim' and considered as deed of virtue. The Sheikh narrates here a Hadith from the traditions of the Prophet (PBOH) where it is reported from him as saying that you are to show respect to any great person coming to you by standing obeisance. This action will create love and affections in the heart of the person coming to you and is considered it as a presentation to him. The Sheikh is of the opinion that standing obeisance may be shown for a just king, for parents, for a great religious personality and a great man.

(iv) 'Ethics in invitation and being host and guest':

The Sheikh narrates some ethical and moral obligations in invitation, being host and guest in his famous work 'Al-Ghuniah' in relating to invitation,

being host and guest which are to be observed by every Muslim individual in the society. These are as follows;-

-Any one if invited should response to the invitation,

-It is a virtuous deed to attend the invitation to an 'Olima'(post nuptial ceremony) ,

-If the invitee is not in a position to take anything at least he is to attend the function to bless the brides,

-The host should show respect to every guest he invited,

-The guest should be given special attention for one day and one night and not compulsory after three days and three nights,

- The host should take along with his gust and in no case the guest be given food separately,

(c) 'Islamic ethics of household affairs and day-to-day activities':

In 'Al-Ghuniah' the Sheikh narrates some ethical activities of Islam which a Muslim follows in his life which may lead a society to an extreme bounding of social harmony and happiness. The Sheikh referred to the traditions of the Prophet (PBOH) while expressing each and every point of his views in this matter.

(i)'Ethics in entering into the house of others at the time of necessity' :

If a person wants to enter into the house of others for any occasion he should at first starts with telling 'As-Salamu-Aalikum' and seek the permission of the householder for entrance into his house. Then he should stand there in front of the door in such a position that his face should be opposite of the door until he is allowed to enter. If the householder does not response to his attempt, he may do in this way for three times. If he is permitted he should enter into the house otherwise he should return back. A Hadith has been referred to her by the Sheikh in this regards.

This rule is applicable to each and every individual's house irrespective of their relation with the person seeking entrance and there is no exception in respect of his close kiths and kin. It is necessary for seeker of

permission to raise the sound of his shoes at first reach, so that the owner of the house may know that someone has come.

The new comer should start his talking with 'Salam' to members of the house he entered to and he should sit where the householder permits him to sit and to eat whatever if he is given. In no case anyone should come at night to the house of others without the prior information of the householder.

(ii) 'Islamic ethics during the time of travelling' :

The sheikh narrated some sorts of ethical activities to be observed at the outset and during undertaking travels. A traveler should start his journey from his own house totally depending on reliance of Allah. His journey should be initiated with prescribed prayer as per the traditions of our Prophet. As far as possible travelling for a long distance without partner and alone be avoided. A believer individual should not part with seven matters as prescribed below when starts for travelling as these things were always with our Prophet during journey:

-He should keep himself pure and clean physically and mentally,
-use collyrium,
-keep a comb with him,
-Keep "Miswak' (toothbrush) with him,
-Keep a scissor with him,
-keep oil for personal use,
-keep perfume with him.

(iii) 'To start each and every work from right side with right hand' ;-

It is an Islamic ethics and moral obligation to start every work of worth and value from the right side and from the right hand because 'Allah loves right of everything' as narrated by the Shaikh from the tradition of the Prophet.

All affairs of day-to-day life like eating, drinking, ablution, wearing of cloths, putting on shoes, entering to a mosque and all kind of give and take should be from right side and right hand except entering into toilet.

(iv) 'Islamic ethics at the time of eat and drink':

According to 'Al-Ghuniah' the famous work of the Sheikh, there is ethics in all kinds of eat and drink and a Muslim should follow it in his daily affairs of his life in order to attain the desire and blessing from Allah as there is great virtues. According to the traditions of the Prophet (PBOH) eating and drinking should be done as per as follows :

-To make an investigation whether the food is from legitimate source (halal) or illegitimate source (haram),

-to feel pleasure while taking food in own house or in invitation,

-eating and drinking should be started a with the name of Allah,

-after completion thanks and gratitude be expressed to Allah,

-eating and drinking should be done by sitting and not by standing position,

-to sit giving pressure on left side while to take food,

-to take food with the help of three fingers of right hand,

-eating should be started with salt and to be completed with salt,

-food is to be chewed heavily taking small morsels,

-One should take his morsel from his own side if more than one takes food jointly from a single plate,

-One should not see at the face of others at the time of taking food,

-To chuck remaining of food residue after completion of taking food from fingers,

-No utensil made of gold or silver should be used for eating or drinking purpose,

-Not to take food leaning to other materials,

(v)'Ethics at the time of urine and privy' :

The Sheikh as per Islamic rule lays down some ethical deeds to be observed at the time of urine and privy. The system of this human act of natural call has been elaborately depicted by Islam since the very time of its advent about which the Quran and the Hadith speak. The Sheikh in his work 'Al-Ghuniah' narrates as follows:

-When a person wants to enter the toilet he should put off ring or any other articles where the name of Allah written

-He should forward his left leg at first while entering the lavatory with under tune pronunciation of the name of Allah and praying for safety from the Satan,

-His head should not be without cap or anything covering article and stressing on left side while he sits in the lavatory. It is forbidden for him to speak with others during his latrine period and no Salam, no sight towards others is allowed. He should confirm that his sitting is not fronting or backing the 'Qiblah'.

-He should not make urine or privy under any tree having shadow or fruits and not to seat where the soil is hard or upward from where drops of urine may return towards him. He also should not make urine in any running water or any bathing place or in any hole of reptiles or any other hole. He should not do so facing towards the sun and the moon.

-After releasing urine or making privy the person should clean himself through the process as prescribed by the Shariah. He should use either soil or toilet paper at first to remove the dirty and then use water to wash the organ of urine or privy. He should use his left hand always while doing the work of cleaning after latrine or urine.

(vi)'Ethics in respect of Mosque, a worshiping place of Muslims' :

The sheikh lays down some sorts of Islamic moral and ethical points of obligation in his 'Al-Ghuniah' in the light of the Quran and Hadith in respect of a mosque, the worshiping place of Muslims.

A mosque is a place where worship for Allah is done, any kind of payer is undertaken, an act of mental perseverance is executed, recitation of the holy Quran is performed and exercise of the matters relating to the Shariah is accomplished where no impure activities like theft, adultery etc. is to be done.

There should not be any kind of act regarding selling and buying of goods and materials or stitching clothes and shoes etc. be done. Spitting in

mosque is strictly prohibited and considered as great sin. None can draw any picture of decoration against the Shariah within the mosque. None can make the floor of a masque as a place of sleeping or eating except it is allowed for a stranger and for a 'Mu'takif'. Recitation of poems of love affairs and praising for any person other than Allah and his messenger is strictly forbidden in the masque.

(vii) 'Moral and ethical obligations towards own parent of a person' :

The sheikh narrates some ethical obligations of person towards his own parents referring to the verse of the holy Quran where it proclaims, 'and that you be kind with parents. Whether one or both attain old age in your life, say not a word of contempt to them nor repel them, but address them in terms of honor'. The moral duty is to show kindness to parent which is individual act of piety. The Sheikh refereed to a Hdith as narrated by Abdullah bin Abbas where it is said that when a person dissatisfies his parents at night till the morning two door of the Hell opened to him and if the dissatisfaction remains until the evening other two doors of the Hell is opened for him and if he dissatisfies any one of his parents then one door of the Hell remains opened for him. A person becomes fortunate and receives rewards from Allah through rendering true and sincere services towards his parents.

The fortune of a person lies in his true and sincere services towards his parents which earns him favour of Allah in the world and in the hereafter. These are as follows:

-To behave with parents like a child through good dealings with words of love, affections and pleasing,

-To fulfill the desire of the parents without expressing any kind of annoyance, dissatisfaction and hesitation,

-To pray for them to Allah sincerely after each and every prayers,

-To ensure where any kind of troubles are being given to them through your wordings and dealings,

-To try to remove any kind of troubles reaches to them like ailment etc.,

-Not to speak with high sound in front of them and not to reply them with high voice and rough language,

-Not to disobey them in any kind of their order or advice,

-To bring to them whatever the desire and feed them whatever they want as per your capacity,

-To take permission from them as when you want to go out for a journey or for any purpose out of your house,

-To take care of them in every situation.

If in any circumstances you feel angry with them, than you are to recollect in your memory how they brought up you with many troubles. You should recollect their love affections with you when were mere a child and how they have undergone many troubles while bringing up you in such a position.

As per the Quran and the traditions of the Prophet the heart of person is the principal foundation all moral and ethical activity because 'certainly there is a piece of flesh within the human body if it is pure the whole body will remain pure and if it becomes polluted the whole body will remain dirty, verily it is the 'heart'.

Under the purview of Islamic ethics there are some concepts relating to heart which belong to Islamic moral teachings. These are what Islam teaches its followers to adopt in life as member of a moral society. The Holy Quran is the source of all these conceptions which includes 'Tawakkul' means reliance, 'Rida' means consent or agreement, 'Tasleem' means submission, 'Zuhd' means ascerticism, 'Taqwa' means abstinence, 'Sabr' means patience, 'Adal' means justice and so on.

.

****

References:

1. Jadunath Sinha, A Manual of Ethics, Calcutta , 1978, Pg. no.- 01
2. A. S. Hornby, Oxford Advance Learners Dictionary of Current English, London -1974
3. Al-Quran, Sura-4; Verse No.-68.
4. Abu Abdullah Qurtuibyi- Al- Jami' al- Ahkam- al-Quran, Beirut, Pg. no.- 85
5. Kamar O. Kamaruzzaman, Understanding Islam-a contemporary Discourse, 2007, Saba Islamic media
6. As reported by Imam Muslim, Hadith no.- 746
As reported by Imam Malik in his famous 'Muatta'
As reported by Al-Tabrani.
7. As reported by Imam Tirmizi- Hadith no. -1975.
8. The Quran, Sura Ash-Shura, verse no.-13
9. History of Sufism in India, Vol.-II, Pg. No.-.54.
10. An Introduction to Sufism- P-82
11. Khanam Farida -A simple guide to Sufism- Goodword Books -2006 ,New Delhi -o1, Pg. no.-71
12. Hazarat Abdul Qadir Jilani ® in Bengal, Pg. No.- 22
13. The Sufi Orders in Islam, p.42.
14. The Sufi Orders in Islam, Pg. No.-30
15. Bhatnagar, R.S.; Dimensions of Classical Sufi Thought; Motilal Banarsidass, Delhi, 1984, Pg. No.- 87
16. A simple guide to Sufism, Pg. No.- 70
17. A simple guide to Sufism, Pg. No.- 72
18. A Simple Guide to Sufism, Pg. no.-79
19. Ibid, Pg. No.- 83
20. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Urdu Translation) ; Pg. No.- 144
21. Al-Quran, Sura A'lay Imran, Verse No.- 110
22. As reported by Imam Bukhari in his Al-Sahih.

23. Arman , Sarhindi Amanullah; AI-Ghuniat-ut-Talibin of Sheikh Abdul Qadir Gilani (Urdu Translation) ; New Delhi-11, 1987, Pg. No.- 75

24. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Urdu Translation) ; Pg. No.- 76

25. Ibid, Pg. No.- 76

26. Imdadullah, A.N.M.; AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Banglabajar, Dhaka, 1991, Pg. No.-20

27. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Pg. No.-35-37.

28. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Pg. No.- 20.

29. Ibid, Pg. No.- 20-21

30. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Pg. No.- 25-26

31. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Pg. No.- 31, 32.

32. Ibid, Pg. No.- 40, 41.

33. Al-Quran, Sura A-Isra', Verse No.- 23

34. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Pg. No.- 41

35. As reported by Imam Bukhari in his 'Al-Sahih'

36. AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Pg. No.- 41

37. As reported by Imam Bukhari in his 'Al-Sahih'

Bibliography

1. Arman , Sarhindi Amanullah, (1987) : AI-Ghuniat-ut-Talibin of Sheikh Abdul Qadir Gilani (Urdu Translation), New Delhi-11.

2. Bhatnagar, R.S., (1984): 'Dimensions of Classical Sufi Thought; Motilal Banarsidass', Delhi.

3. Hornby, A. S., (1974): 'Oxford Advance Learners Dictionary of Current English', London.

4. Hazarat Abdul Qadir Jilani ®(1998) in Bengal,

5. Imdadullah, A.N.M., (1991): AI-Ghuniat-ut-Talibin (Bengali Translation); Banglabajar, Dhaka.

6. Kamar O. Kamaruzzaman, (2007): Understanding Islam-a contemporary Discourse, Saba Islamic media.

7. Khan, Masood Ali and Ram, (2003): S.; 'An Introduction to Sufism', New Delhi.

8. Khanam Farida, (2006): A simple guide to Sufism- Goodword Books - ,New Delhi -o1,

9. Pickthal, M. Marmaduka, 1979: Glorious Quran, Delhi.

10. Qurtuibyi, Abu Abdullah: 'Al- Jami' al- Ahkam- al-Quran', Beirut.

11. Rizvi, Saiyid Athar Abbas, (2003): 'A History of Sufism in India', vol.I,II, New Delhi, AD

12. Sinha, Jadunath, (1978): 'A Manual of Ethics', Calcutta.

Encyclopedia

1. Britannica Ready Reference Encyclopedia, New Delhi, 2005.

2. Hastings, James; Encyclopedia of Religion and Ethics, Vol. XXI, Colombia University, New York, 1921 AD.

3. The New Encyclopedia Britannica, U.S.A. 15th Edition, 2007.

Hadith

1. As reported by Imam Bukhari in his Al-Sahih.

2. As reported by Imam Muslim

3. As reported by Imam Malik

4. As reported by Al-Tabrani.

5. As reported by Imam Tirmizi

☆☆☆

کی عقیدت مندی، وفات، مزار، متروکات، تاریخ وفات جیسے ذیلی عناوین کے تحت خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ باب دوم جو کہ حضرت مخدوم شاہ میناؒ کی کرامات پر مشتمل ہے، باب کی ابتداء میں فاضل مصنف رقم طراز ہیں کہ ''انبیاء علیہم السلام سے خرق عادات جن چیزوں کا صدور ہوتا ہے، انہیں ''معجزہ'' کہتے ہیں اسی طرح اولیاء کرام اور بزرگان عظام سے جن چیزوں کا ظہور ہوتا ہے انہیں ''کرامت'' کہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیاء برحق ہیں اسی عقیدہ کی بناء پر حضرت مخدوم شاہ میناصاحبؒ کے کرامات یا ان سے خرق عادت صادر ہونے والے اعمال وافعال کی تفصیلات، ناظرین کی واقفیت کے لئے ملفوظات میں بکھرے ہوئے صفحات سے نقل کی جارہی ہیں، خدا کرے ان تفصیلات سے ناظرین اپنی اپنی بساط وصلاحیت اور لیاقت کے مطابق فائدہ حاصل کریں۔'' اس کے حضرت مخدومؒ کی ۱۸ کرامات کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے باب (ملفوظات) میں حضرت شاہ میناؒ کے ملفوظات کے انتخاب کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے اختصاراً درج کیا گیا ہے لیکن جیسی کہ حضرت مخدومؒ کی شخصیت ہے اسی اعتبار سے یہ تلخیص واختصار بھی ۴۳ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔

ابواب کی تکمیل کے بعد منشی ظہیر الدین ظہیرؔ کا کوروی کا نذرانہ عقیدت اور قطعہ تاریخ بھی درج ہے نذرانہ عقیدت سے ایک بند ملاحظہ ہو:

شہ قوام الدینؒ سے نسبت تری　　شیخ سارنگؒ نے خلافت تجھ کو دی
شہ بدیع الدینؒ سے تھی دوستی　　تو بذات خود تھا اک زندہ ولی
آؤ مورِ میناؒ، آکر ہوش میں
اک قطب نے لے لیا آغوش میں

شعری نذرانہ عقیدت کے بعد مصنف نے شجرات کے ذیل میں شجرۂ چشتیہ وسہروردیہ دونوں سلاسل کے ذریعہ حضرت مخدومؒ کا شجرہ درج کیا ہے بہ قول مصنف، ''چونکہ حضرت مخدوم شاہ میناصاحب رحمۃ اللہ علیہ چشتیہ اور سہروردیہ دونوں سلسلوں سے وابستہ تھے، اس لئے اس مقام پر ''ملفوظات'' سے دونوں سلسلوں کے شجرے نقل کئے جارہے ہیں تاکہ افادہ اور استفادہ کا دائرہ وسیع ہوسکے۔'' تصنیف ضخامت کے اعتبار سے تو فقط ۱۰۴ صفحات پر ہی مشتمل ہے لیکن اہمیت وافادیت کے اعتبار سے حضرت مخدومؒ کی سیرت وشخصیت کے حوالے سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، مصنف نے کوزہ میں سمندر کو سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اور ہماری بھی بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ حضرت مخدومؒ کے طفیل میں ہماری گمراہ زندگی کو روشنی میسر ہو۔ آمین۔

(ناشر تصنیف: مکتبہ ایوب کاکوری، لکھنؤ۔ ۲۲۷۱۷۰)

☆☆☆

چشم بینش

احمد نوید یاسر ازلان حیدر (مدیر)

سیرت حضرت مخدوم شاہ میناؒ لکھنوی (از: محمد کاظم ندوی): ایک تعارف

میدان علم دین متین نے اپنے دامن میں ایک سے بڑھ کر ایک صفت کی حامل شخصیات کو سمیٹ کر پناہ دی ہے اس طرح انہیں زمانے کی دست برد اور شکستگی سے محفوظ کر دیا ہے تا کہ آئینہ تاریخ میں ماضی کے عکس و نقش کا مشاہدہ حال و استقبال کو جاندار اور شاندار بنانے میں معاون ہو، اور ان شخصیات کے کارہائے نمایاں، صفات، حسن اخلاق، انسان دوستی، کرامات اور آثار کو ذہن نشین کر کے ان پر عمل پیرا ہو کر آنے والے زمانہ کے لوگ اپنی دین و دنیا کو سنوار سکیں۔ ایسی شخصیات سے کتب تاریخ، رسائل اور تذکرے بھرے پڑے ہیں لیکن ہر زمانہ میں کچھ ایسی نابغہ روزگار شخصیات بھی گزری ہیں جو کسی تاریخ، تذکرے، رسالے، سیرت نگاری، قصیدہ گوئی سے ماوراء رہی ہیں ایسی شخصیات کے اسماء ہی مکمل سیرت و سوانح ہو جاتے ہیں ان کا نام مبارک لینا ہی ابواب پر محیط ہو جاتا ہے، ایسی ہی عہد ساز ہستیوں میں ایک مہر درخشاں وہ بھی ہے جسے قطب العالم، شیخ الاعظم، محدث عصر، فقیہہ دہر، مجدد دین وملت، حامی سنّت، قاطع بدعت، دانا و بینا حضرت مخدوم شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا تمہید کی اصل وجہ حضرت مخدوم شاہ میناؒ کی شخصیت و سیرت پر لکھی گئی تصنیف ''سیرت حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنویؒ'' کا تعارف ہے۔ جس کے مصنف مولانا کاظم ندوی متوطن کاکوری ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل، مدرسہ فاروقیہ کاکوری کے صدر، بے مثل شاعر اور کثیر التصانیف شخصیت ہیں۔ تصنیف ہذا جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے حضرت مخدومؒ کے حالات زندگی، کمالات، اوراد و وظائف، معمولات، عبادات، کرامات، ملفوظات اور زہد و مجاہدہ پر مشتمل ہے، کتاب کی پہلی اشاعت جولائی ۱۹۹۶ء میں ہوئی اور تصنیف کے متعلق ناشر کے اقوال ہیں کہ ''عرصۂ دراز سے دلی آرزو اور تمنا تھی کہ قطب العالم حضرت مخدوم شاہ مینا صاحبؒ لکھنوی کے حالات زندگی پر ایک مبسوط کتاب لکھوا کر اپنے اشاعتی ادارہ مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ سے شائع کروں تا کہ بنی نوع انساں حضرت مخدوم کے حالات، کمالات، خدمات، کرامات اور ملفوظات سے متعارف ہو کر اسی کے مطابق اپنی زندگی گزار سکے۔'' تصنیف کو تین ابواب میں منقسم کیا گیا ہے، باب اول (حالات حضرت مخدوم شاہ مینا صاحبؒ) میں حضرت مخدوم کا نام و نسب، وجہ تسمیہ، پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت، مقام قطبیت، خلافت، عبادت و ریاضت، معمولات، عام حالات، اوراد و وضائف، خلفاء، تلقین ذکر، تصانیف، مرض الموت، ایک ہندو